مصنف

آغا شورش کاشمیری

مرتب

علامہ عبدالستار عاصم

Marfat.com

Marfat.com

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی، پیاس سے۔ یارب!!
اک آبلہ پا۔ ''وادی پر خار'' میں آوے!
غالب

حمید نظامی

ایک مطالعہ ایک تجزیہ

مصنف
آغا شورش کاشمیری

مرتب
علامہ عبدالستار عاصم

Marfat.com

102372

نام کتاب: حمید نظامی

مصنف: آغا شورش کاشمیری

مرتب: علامہ عبدالستار عاصم

زیر نگرانی: جناب عامر رحمٰن محمود ایڈووکیٹ (سرپرست قلم فاؤنڈیشن)

نظر ثانی: پروفیسر علامہ مظفر علی مرزا

پروف ریڈنگ: صاحبزادہ علامہ محمد طاہر تبسم القادری (ناظم اعلیٰ مجلس علماء نظامیہ)

کمپوزنگ: غلام سرور (0334-6808423)

لیگل ایڈوائزر: رانا شہباز احمد خاں (ایڈووکیٹ) (0333-4286469)

قیمت:

ISBN:

اشاعت: فروری 2010ء

بااہتمام: چوہدری جمیل اختر

ناشر: قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

آفس نمبر 37 شالیمار مارکیٹ مین بلیوارڈ

ڈیفنس موڑ لاہور

(0300-4470990/0333-4393422)

Marfat.com

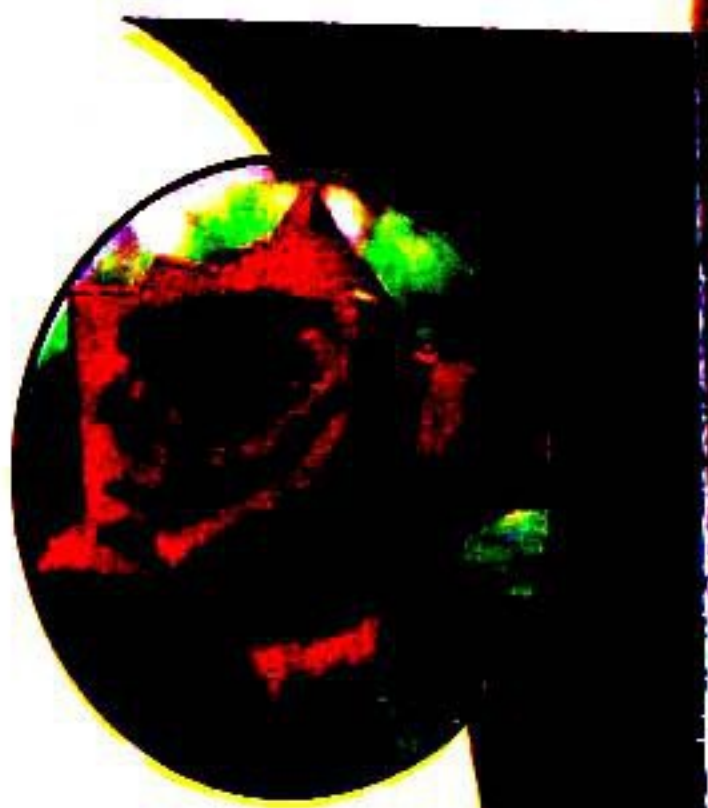

ڈاکٹر مبشر حسن

کے

نام

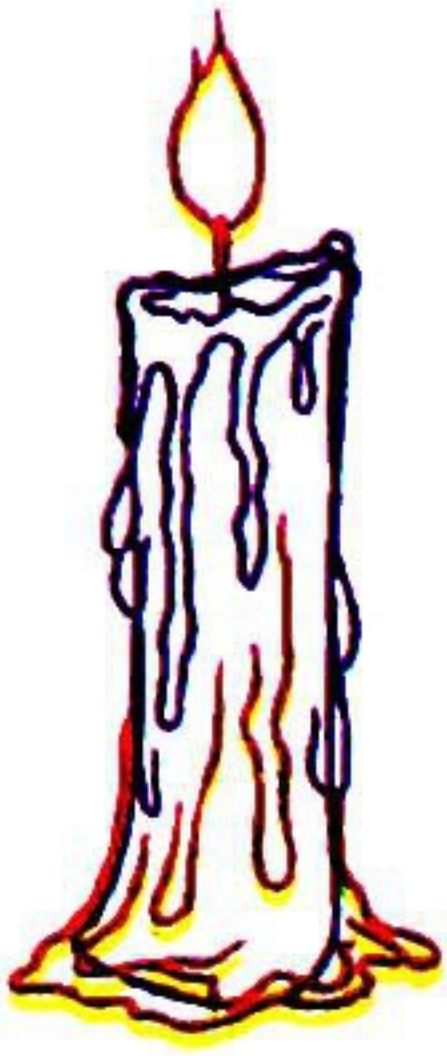

Marfat.com

Marfat.com

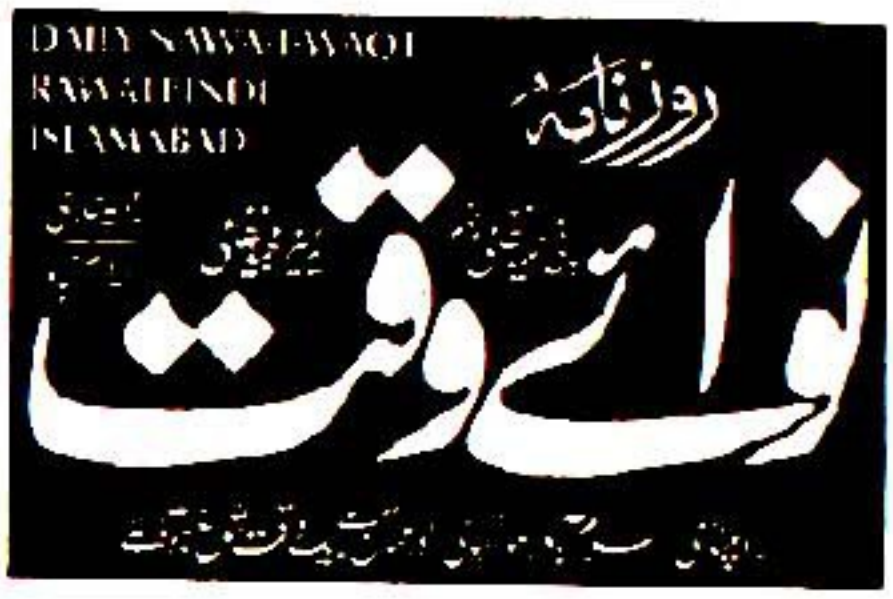

DAILY NAWA-I-WAQT
RAWALPINDI
ISLAMABAD

روزنامہ نوائے وقت

لمحہ فکریہ

بیشتر لوگ زندگی ہی میں مر جاتے ہیں
لیکن کچھ لوگ مرنے کے بعد بھی زندہ
رہتے ہیں، اور ان کی حیاتِ مستعار آئندہ
نسلوں کے لئے نشانِ راہ بن جاتی ہے

Marfat.com

SAMMI

DAEWOO

EXPRESS

Marfat.com

یہ کتاب کروڑوں پاکستان کے اُمیدوں کے محور

قائدعوام جناب میاں محمد نواز شریف (سابق وزیراعظم پاکستان)

عوامی اعتماد کی دولت سے مالا مال

جناب رانا تنویر حسین (ایم این اے) سابق وفاقی

وزیراور عوام کے دلوں کی دھڑکن

جناب میاں محمد شہباز شریف (خادم اعلیٰ پنجاب)

سے منسوب کی جاتی ہے

Marfat.com

Nestlé®

Pure Life®

NATURAL SPRING WATER
EAU DE SOURCE NATURELLE

Marfat.com

آبروئے صحافت اور استحکامِ ملت کے قافلہ کے رہروان

محترمہ رمیضہ نظامی، جسٹس جاوید اقبال، سعید آسی، ڈاکٹر شیریں مزاری، ایم اے نیازی، کرنل جمشید احمد ترین، پروفیسر ڈاکٹر سرفراز مرزا، محمد حنیف شاہد، ڈاکٹر اجمل خان نیازی، بشریٰ رحمن، محمد مصدق، عطاء الرحمن، پروفیسر محمد مظفر مرزا، چودھری علامہ اصغر علی کوثر وڑائچ، حافظ محمد عمران، فضل حسین اعوان، خالد احمد، محمد آصف بھلی، اسرار بخاری، کے ایم اعظم خاں (سابق مشیر اقتصادیات اقوام متحدہ)، چودھری مطلوب احمد وڑائچ، سرور منیر راؤ، میجر جنرل (ر) شفیق احمد اعوان، جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ، پرویز حمید، ڈاکٹر انور سدید، محمد انیس الرحمن، محمد شعیب مرزا، علی سفیان آفاقی، پروفیسر تنویر حسین، مظہر حسین شیخ، عبدالشکور رانی حسن، طاہر منیر طاہر، رانا عبدالباقی، ارشاد عارف، محمد طارق چودھری (سابق سفیر)، ڈاکٹر اعجاز احسن، محمد اظہار الحق، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، بیدار سرمدی، محمد یسین وٹو، توفیق بٹ، لیفٹیننٹ جنرل عبدالقیوم، پروفیسر سید اسرار بخاری، ڈاکٹر رفیق احمد، سرر فیق عالم، سرر فیق غوری، نواز خان میرانی، کرنل اکرام اللہ، سید ماجد یزدانی، صباء ممتاز، رابعہ عظمت، میاں علی رضا، اختر علی، خواجہ فرحت سید، ایم آئی خان، زاہد حسین مشوانی، سالک مجید، سید خاور، ریورنڈ چراغ روشن، ساجد یزدانی، پروفیسر اعتبار ساجد، شاہد نذیر، فرزانہ چودھری، طارق منیر بٹ، وقار اشرف، غزالہ عظمت، گلنار نواب، خالد نجیب خان، سکندر بلوچ، الطاف مجاہد، یوسف خان، شہزاد چغتائی، احمد کمال نظامی، رانا عامر رحمن محمود ایڈووکیٹ، عابد میر، خالد جاوید مشہدی، غزالہ عصمت خان، راجہ محبوب حسین، نواز رومانی، پروفیسر خالد پرویز، محمد اسلم لودھی، انجم نثار، محمد اکرام صدیقی، ساجد علی، اظہر سلیم، مخدوم اطہر، سلیم ناز، رانا عبدالرشید، طارق تحسین، حکیم رفعت نسیم سہروردی، بابو شفقت قریشی، علامہ عبدالستار عاصم، شہزادہ سید مصور علی زنجانی، اشرف چودھری، اعجاز وسیم باکھری، سیف اللہ سپرا، حکیم عبدالباسط چشتی، پرویز روشن، ایف چودھری، شاہد رشید، رفاقت ریاض، سہیل قیصر ہاشمی، حافظ محمود الحسن، سید اقتدار گیلانی

Marfat.com

پیش لفظ

قیام پاکستان کی تحریک کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد استحکام پاکستان کے لئے جن ادیبوں، صحافیوں اور دانشوروں نے قوم کے مسائل کے حل اور پاکستان کے وقار اور سالمیت کے لئے اپنے قلم سے جہاد کیا۔ ان میں ''نوائے وقت'' کے بانی حمید نظامی مرحوم کا نام ایک روشن ستارے کی طرح نمایاں ہے۔ ان کی لازوال خدمات ہر زمانے میں اپنی تابانیوں سے اذہان و قلوب کو منور کرتی رہیں گی۔ ان کی تحاریر، اداریئے شذرے، طنز و مزاح، تبصرے، تجزیئے، اور کالم آج بھی اُردو صحافت کا سرمایہ افتخار ہیں افسوس کہ محترم حمید نظامی کو زندگی نے اتنی مہلت نہ دی اور وہ صرف 46 سال اور چند ماہ کی عمر میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی رحلت کے بعد ان کے عظیم اخبار کو ان کے برادر صغیر محترم مجید نظامی نے سنبھالا اور آج بھی الحمدللہ ان کی زیر ادارت ''نوائے وقت'' بھرپور مجاہدانہ روایات کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

حمید نظامی مرحوم کے قریبی ساتھی اور قیام پاکستان کے دور کے بے مثال ہفت

Marfat.com

روزہ ''چٹان'' کے ایڈیٹر آغا شورش کاشمیری نے محترم حمید نظامی کی وفات کے بعد 1967ء میں مرحوم کی زندگی کے ادبی وصحافتی گوشوں پر ایک کی مختصر کتاب ''حمید نظامی'' میری نظر میں شائع کی۔ جس میں انہوں نے حمید نظامی سے اپنے تعلقات کی ابتداء سے لے کر ان کی وفات تک کے چیدہ چیدہ حالات اس طرح سے قلمبند کئے ہیں کہ ثابت کر دیا ہے کہ آغا شورش کاشمیری واقعی ایک بہت بڑا صحافی اور مصنف ہے۔ یہ کتاب شائع ہوتے ہی اس زمانے میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئی۔ اب اس کتاب کے نسخے جس کسی کے پاس بھی ہوں گے وہ ریکارڈ کا حصہ ہی ہوں گے۔ مارکیٹ میں یہ کتاب ناپید ہے۔ اس کتاب کی تاریخی، ادبی، صحافتی اور قومی اہمیت کے پیش نظر اس کو دوبارہ شائع کر کے قارئین کی دسترس میں لانا یقیناً ایک علمی، ادبی وصحافتی فریضہ ہے۔ اس فریضہ کو پورا کرنے اور دونوں موصوف شخصیات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے راقم نے یہ کتاب از سرنو شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ محترم جناب رانا عامر رحمٰن محمود ایڈووکیٹ صاحب سرپرست اعلیٰ قلم فاؤنڈیشن، جناب چودھری سلیم الٰہی گجر (نائب صدر) مسلم لیگ (ن) سندھ، جناب حافظ محمد عمران صاحب، جناب علامہ پروفیسر مظفر علی مرزا، جناب سر رفیق عالم صاحب، جناب مقصود چغتائی (عالمی سیاح)، جناب پرویز روشن، جناب ڈاکٹر انور سدید صاحب، محترم ملک مقبول احمد صاحب، سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ اسی حوالہ سے دیگر دوستوں سے مشورہ ہوا تو یہ فیصلہ ہوا کہ حمید نظامی کے صحافتی کردار کے حوالہ سے آج کے پاکستان کی سیاسی وصحافتی صورتحال کا بھی جائزہ لیا جائے اور اس تناظر میں تجاویز وآرا کو

Marfat.com

بھی اس مسودہ کے ساتھ اٹیچ کر دیا جائے تا کہ اس کے ساتھ ساتھ حق شناسی کا فریضہ بھی پورا ہو۔ تقریباً ایک سو کے قریب اہل الرائے حضرات وخواتین سے بذریعہ فون یا بالمشافہ رائے لی گئی اور اسے اس تاریخی مسودے سے اٹیچ کر کے شائع کر دیا۔ اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ راقم کو فخر حاصل ہے کہ برصغیر کے ان نامور اہل قلم کی کاوشوں کو دوبارہ چہرۂ قرطاس پر لانے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس کاوش پر میں جناب رانا عامر رحمٰن محمود ایڈووکیٹ، میاں مجتبیٰ شجاع الرحمٰن (صوبائی وزیر ایکسائز و تعلیم)، جناب سہیل ضیاء بٹ، جناب عزیز احمد اعوان (جنرل سیکرٹری تعمیر پاکستانی پارٹی)، جناب حافظ عابد علی (جنرل سیکرٹری قومی تاجر اتحاد)، چودھری سلیم الٰہی گجر (کراچی)، زبیر گل (صدر) مسلم لیگ (ن) یو کے، جناب چودھری ذوالفقار احمد راحت، جناب ملک مقبول احمد (ایم ڈی مقبول اکیڈمی) کی سرپرستی کا شکر گزار ہوں۔

مرتب

عبدالستار عاصمؔ
20 فروری 2010
aaa_foundation@yahoo.com
0333-4393422

Marfat.com

ابتدائیہ

آغا شورش کاشمیری ایک صحافی، ادیب، شاعر، خطیب اور سیاسی کارکن کی حیثیت سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی جوانی میں برصغیر کی جدوجہد آزادی میں عملی حصہ لیا اور اپنی عمرِ عزیز کا کافی حصہ غیر ملکی حکمرانوں کے جیلوں میں کاٹا۔ ان کے ابتدائی سیاسی نظریات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ ان کی ذات تنقید و اعتراضات کا موضوع بھی بنی رہی اور اب ان کے بعض کرم فرما انہیں کبھی کبھار ''خصوصی نوازشات'' کا مستحق خیال کرتے رہتے ہیں۔ مسائل حاضرہ پر تبصرہ کرتے وقت آغا شورش کبھی کبھی ایک خاص رخ اختیار کر لیتے ہیں جس پر خود راقم الحروف نے ان کے سامنے کئی بار گستاخیاں کی ہیں اور اُنہوں نے ساری باتیں خندہ پیشانی سے سنی ہیں۔ لیکن آغا صاحب کی قربانیوں اور ادب، سیاست اور صحافت کے لئے ان کی خدمات کو ہرگز ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بدقسمتی سے شخصیات کو پرکھنے کے معیار دوسری معاشرتی اقدار کی طرح اب بڑی تیزی سے بدلتے جا

Marfat.com

رہے ہیں۔ زبان سے تو ہمیشہ یہی کہا جا رہا ہے کہ اس ملک کی فلاح و استحکام کے لئے متوسط طبقہ کی پذیرائی ضروری ہے لیکن یہ متوسط طبقہ کم از کم مغربی پاکستان میں ہمیشہ سے با اثر متمول طبقہ کا آلہ کار اور دریوزہ گر ہی بنا رہا ہے۔ سابق پنجاب کی تاریخ میں ایسے مراحل بھی آئے جب متوسط طبقہ کے افراد کو حکومت اور حکمران جماعت میں ذمہ دار عہدوں پر فائز ہونے کا موقع ملا۔ لیکن ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ ان اصحاب کو کبھی اپنے سرپرستوں کی مصلحتوں سے ہٹ کر سوچنے اور عمل کرنے کی بھی توفیق ہوئی ہو۔ اس کے ساتھ یہ افسوسناک حقیقت بھی دیکھنے میں آئی کہ اگر کوئی غریب نوجوان اپنی محنت اور خلوص کے ساتھ آگے بڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے بڑے طبقہ کی خوشامد کرنے کی بجائے اعلائے کلمتہ الحق کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا تو متوسط طبقہ نے بھی اس کی مخالفت اور مذمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا۔ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ میرے استاد حمید نظامی مرحوم کی مخالفت بھی اکثر ان کے عروج اور عظمت سے حسد ہی کا نتیجہ رہی ہے۔ انہوں نے بڑے بڑے فرعونوں کو چیلنج کیا۔ بڑے تند و تیز طوفانوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ابتدائی دور میں حکمرانوں نے ان کی حق گوئی سے پریشان ہو کر انہیں وزارتوں اور دوسرے عہدوں کی بھی پیشکش کی۔ لیکن جب وہ ترغیب و تحریص کے سارے حربے آزما چکے اور ان میں ہر طرح سے ناکام رہے تو انہوں نے نظامی مرحوم کے طبقہ ہی سے تعلق رکھنے والے پرانے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ یہ لوگ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ بکاؤ مال سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے انہوں نے مرحوم پر ایسے ایسے طومار باندھے کہ تہذیب

Marfat.com

وشرافت ماتم کناں نظر آئی۔ لیکن سب وشتم کی اس مہم کا اثر اور نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ نکلا کہ مرحوم حمید نظامی کی عظمت دلوں میں راسخ تر ہوتی گئی۔ شورش صاحب کی اپنی مخالفت بھی اکثر اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ جن لوگوں نے انہیں بیس اکیس برس پہلے ایک غریب و بے آسرا نوجوان کی حیثیت سے دیکھا تھا انہیں اب ان کی خوشحالی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ ہمارے دلوں میں آغا شورش کا احترام اس لئے بھی ہے کہ وہ قیام پاکستان کے بعد آزادی صحافت کی ایک علمبردار شخصیت۔ جناب نظامی مرحوم کے حلقہ احباب میں آخری دم تک شامل رہے۔ چنانچہ مرحوم پر کچھ لکھنا آغا صاحب ہی کا حق تھا۔

اپنی مختصر کتاب کے اختتامیہ میں شورش صاحب نے لکھا ہے کہ ''یہ کوئی باقاعدہ سوانح عمری نہیں، کسی مبسوط کتاب کا حصہ نہیں اس پر کسی تذکرہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ نہ ہم اسے کہانی کہہ سکتے ہیں اور نہ اس میں افسانوی خوبو پائی جاتی ہے۔ اس میں ایک ایسی داستان کی آمیزش ضرور ہے جو ہمارے سامنے رونما ہوئی پھر ایکا یکی ختم ہوگئی یہ ایک تجزیہ ہے ایک مشاہدہ ہے ایک مطالعہ ہے۔ اس شخص کے بارے میں جو ہمارے سامنے زندگی کے سفر کو نکلا تھا۔ اور دنوں ہی میں ممتاز ہوگیا۔ حتیٰ کہ اس کے قلم کی دھاک بیٹھ گئی۔ شہروں میں اس کی باتیں تحریک بن کر پھیلتی رہیں محلوں میں اس کا خوف مسلط ہوتا گیا میدانوں میں اس کا چرچا رہا۔ دفتروں میں اس کا ڈنکا بجا۔ شہر یاروں نے اس کی چوٹیں سہیں۔ وزارتوں کو بدف بننا پڑا۔ حکومتوں نے رخت سفر باندھا اور غفرلہٗ ہوگئیں۔ دوست اس سے پھول چنتے اور دشمن زخم کھاتے رہے۔ اپنے ہمعصروں میں وہ سب سے کم عمر تھا سب سے آگے نکل

Marfat.com

گیا۔ اچانک سناؤنی آ گئی اور وہ واصل بحق ہو گیا۔ شورش صاحب نے درست کہا ہے کہ یہ کتاب کوئی سوانح عمری نہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ذاتی مجلسوں کی ناقابل فراموش یادیں جس طرح تازہ کی ہیں اور ان میں جس خوبی کے ساتھ اخلاص کی شمعیں روشن کی ہیں۔ اس کے لئے وہ بجا طور پر مستحق مبارکباد ہیں۔ ویسے یہ ایک حقیقت ہے کہ اُردو میں سوانح عمری کی صنف نے زیادہ ترقی نہیں کی۔ حالی، شبلی، سید سلیمان ندوی، ابوالکلام آزاد، سید رضا علی، فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، چراغ حسن حسرت، شورش کاشمیری اور عبدالمجید سالک وغیرہ نے بلاشبہ سوانح نگاری کے لئے بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن بعد میں کوئی قابل ذکر پیش قدمی دیکھنے میں نہیں آئی۔ چنانچہ شورش صاحب کو بھی اس ضرورت کا احساس ہے۔ انہوں نے کہا ہے ''حمید نظامی کیا تھے اور کیا نہیں؟ یہ بعض دوسرے عقدوں کی طرح ابھی تک گم شدہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ پاکستان نے اپنی تاریخ کب لکھی ہے کہ حمید نظامی پر قلم اُٹھائے۔ قائداعظم کے سوانح حیات ابھی تک تشنہ تکمیل ہیں یار لوگوں نے الفاظ کے کھلونے بکھیر کر مطالب کا مینا بازار لگا دیا ہے۔ حمید نظامی کو اس ویرانہ آباد میں کون پوچھتا ہے؟''

میری گزارش ہے کہ گو قائداعظم کی زندگی پر ابھی تک کوئی ہر لحاظ سے مستند کتاب نہیں لکھی گئی اور نظامی مرحوم کے متعلق بھی ایسی کوئی کوشش منظر عام پر نہیں آئی لیکن اس کوتاہی کے باوجود قائداعظم دوسرے مشاہیر اور خود مدبر نوائے وقت کی عظمت اپنی جگہ قائم ہے اور جوں جوں وقت گزر رہا ہے اس عظمت کے احساس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ایک

Marfat.com

ایڈیٹر کی سب سے بڑی یادگار وہ اداریئے ہوتے ہیں جو ہر روز اخبار میں چھپ جاتے ہیں اور یہ اداریئے اب بھی محفوظ ہیں۔ان سے پاکستان کی سیاسی تاریخ کے خط وخال فراہم کئے جاسکتے ہیں۔

حمید نظامی مرحوم کے پاسپورٹ کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۵ء تھی۔ انہوں نے ۲۵ فروری ۱۹۶۲ء کو وفات پائی۔ اس حساب سے ان کی عمر وفات کے وقت ۴۶ سال ۴ ماہ ۲۲ دن تھی اور اگر بارہ لیپ کے سالوں کے بارہ دن بھی شمار کر لئے جائیں تو انہوں نے کل عمر ۴۶ سال ۵ ماہ اور ۴ دن پائی۔ وہ مجھ سے عمر میں چھ سال بڑے تھے۔ میں اپنے آپ میں ایسی کوئی صلاحیت نہیں پاتا کہ شورش صاحب جیسے صاحب طرز ادیب اور صحافی کے رشحات فکر میں کوئی اضافہ کروں اس کے باوجود انہوں نے مجھے ابتدائیہ لکھنے کے لئے غالباً اس لئے منتخب فرمایا کہ جب سے نوائے وقت جولائی ۴۴ء میں روزانہ اخبار کی حیثیت سے چھپنا شروع ہوا میں بھی نظامی صاحب کا ہمسفر رہا اور ۵۳۔۱۹۵۱ء میں ڈیڑھ سال کے سوا یہ رفاقت کبھی ختم نہیں ہوئی جولائی ۴۴ء سے قبل نظامی صاحب لاہور میں مسلمانوں کی واحد نیوز ایجنسی اورینٹ پریس کے چیف ایڈیٹر تھے۔اور ایم اے کرنے کے بعد میں ان کے ساتھ اسسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر بھی کام کرتا رہا۔اس سارے عرصہ میں جو کچھ سیکھا۔وہ نظامی صاحب ہی کا فیض ہے ان دنوں صوبہ کا مسلم پریس زیادہ تر یونینسٹوں کی ہاں میں ہی ہاں ملانے کا عادی تھا چنانچہ نظامی صاحب نے مسلمانوں میں صحیح سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا اور یوم اقبال کے موقع پر ''نوائے وقت'' کا جو پہلا

Marfat.com

پرچہ جاری کیا اس پر ۲۹ مارچ ۱۹۴۰ء کی تاریخ تھی۔ اس کی پیشانی پر سرپرست کی حیثیت سے میاں بشیر احمد سیکرٹری انجمن اُردو پنجاب کا نام ۱۱ فروری ۴۱ء تک شائع ہوتا رہا۔ پیشانی پر اقبال کا یہ شعر بھی ہوا کرتا تھا۔

نوا را تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گراں بینی

پہلے پرچہ میں اداریہ ''نوائے قوم'' کے زیر عنواں میاں بشیر احمد نے لکھا جسے ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا گیا۔ ہمارے بلند نظر شاعر اور ہمارے محبوب رہنما نے ہمارے مستقبل کی ایک جھلک ہمیں دکھادی ہے۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

میاں صاحب کے اس مقالہ کے علاوہ کرشن چندر کا افسانہ ''آنکھیں'' حفیظ ہوشیار پوری کی نظم ''دانائے راز''۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا مضمون ''اقبال اور کالج کی تعلیم''۔ ڈاکٹر محمد باقر کا کالم ''اُردو سبھا'' اور حمید نظامی کا کالم ''لیل ونہار'' (جو مقالہ سے ملتا جلتا تھا) شائع ہوا۔ نظامی صاحب نے ''کچھ اپنے متعلق'' کے زیر عنوان ادارہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

.....لیکن ہم آپ کو یہ یقین ضرور دلانا چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے سامنے صرف اچھی خبریں پیش کریں گے۔ ہمارے دو سب سے بڑے مقاصد اُردو زبان کی ترقی

Marfat.com

اور علامہ اقبال کے پیغام کی اشاعت ہیں۔ان کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہم اس اخبار کی مدد سے کسی ادبی اور معاشرتی انقلاب کو برپا کر دینے کے مدعی نہیں لیکن ہمیں یہ دعویٰ ضرور ہے کہ ہم آپ کے سامنے اچھا ادب پیش کریں گے ہم نے یہ قدم راستے کی مشکلات پر پوری طرح غور کرنے کے بعد اُٹھایا ہے۔نوجوان ہونے کے باوجود ہم جوش فضول کے قائل نہیں۔ ہمارے ارادے بلند ضرور ہیں لیکن یہ بھی نہیں کہ انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانا انسان کی ہمت سے باہر ہو۔آخری گزارش یہ ہے کہ ہمارے کام کا اندازہ لگاتے وقت اتنا خیال رکھئے کہ یہ نوجونوان کا کام ہے۔

پہلے پرچہ کے صفحہ اوّل پر قائداعظم اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق صدر انجمن ترقی اُردو اور ساتویں صفحہ پر مولانا ابوالکلام آزاد کے بیانات و پیغامات کے علاوہ ''شاعر فردا'' کے زیر عنوان سر عبدالقادر کا پیغام بھی شائع ہوا۔ نظامی صاحب نے ارادوں کی بلندی کے باوجود جوش فضول کے قائل نہ ہونے کی جو وضاحت فرمائی اس مسلک پر وہ کافی عرصہ تک گامزن رہے۔ وہ اُردو کی خدمت کے ساتھ علامہ اقبال کے پیغام کو بھی عام کرتے رہے اور سیاسی میدان میں یہ پیغام دراصل مسلم لیگ کا پیغام تھا اور یہی وہ پیغام تھا جو آگے چل کر مطالبہ پاکستان کی صورت میں سامنے آیا۔ مدیر ''نوائے وقت'' مسلم لیگ کے اصولوں کا دم بھرنے والوں پر تنقید کیا کرتے تھے۔لیکن شروع میں یہ تنقید اپنے دامن میں اس تلخی کی آئینہ دار نہیں تھی جو بعد میں تقاضائے حالات کے تحت اُن کی تحریروں کا طغرائے امتیاز بنی۔ مجھے یاد ہے کہ سر سکندر حیات نے جب ۱۹۴۱ء میں لائلپور کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے

Marfat.com

''پاکستان زندہ باد'' اور ''قائداعظم زندہ باد'' کے نعرے بلند کرنے والے چند پرجوش طالب علموں کو جلی کٹی سنائیں اور مسلمانوں نے سرسکندر کی اس تقریر کو سخت ناپسند کیا تو نظامی صاحب نے لکھا تھا کہ سرسکندر کے معاملے میں سخت بے انصافی برتی جارہی ہے انہوں نے بالکل بے ضرر تقریر کی۔ سرسکندر اگر پاکستان کی طرف ایک قدم چلتے ہیں۔ تو پاکستان کے حامی انہیں اپنے ساتھ دس قدم اور آگے لے جائیں نہ کہ یہ کہیں کہ سرسکندر پاکستان کے مخالف اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ نظامی صاحب نے جہاں سرسکندر کی حمایت کی وہاں انہیں یہ مشورہ بھی دیا کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی ذمہ داریاں بھی پوری کریں۔ اس واقعہ کا ذکر میں نے اس لئے کیا کہ اس وقت تک نظامی صاحب یہ محسوس کرتے تھے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑنا نہیں چاہیے۔ لیکن رفتہ رفتہ یونینسٹوں کے بارے میں ان کی ساری خوش فہمیاں ختم ہوگئیں اس جماعت نے پھر جب مسلم مفاد سے غداری کی نظامی صاحب نے انہیں کبھی معاف نہیں کیا۔ اگر یہ کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس زمانے میں ''نوائے وقت'' نہ ہوتا تو مسلمانوں کی تحریک اتنے قلیل عرصہ میں انہیں کبھی بھی اپنی منزل مقصود سے ہمکنار نہ کرسکتی اُنہوں نے اس صوبے کو انگریز حکمرانوں اور افسروں سے نجات دلانے کے لئے جو مہم چلائی اس سے تو اپنے بھی پریشان ہوگئے تھے۔

صحیح صحافت نے ہر دور میں پوری جرأت کے ساتھ ملک وقوم کی خدمت کا حق ادا کیا ہے۔ چنانچہ ''نوائے وقت'' کے علاوہ بعض دوسرے ممتاز اخبارات نے بھی اس نصب العین کی خاطر قربانیاں دی ہیں لیکن نظامی مرحوم کی عظمت کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ

Marfat.com

کسی دور میں بھی حق گوئی و بے باکی کے راستہ سے نہیں ہٹے۔ غیر ملکی حکمرانوں کی زیادتیوں پر احتجاج کے مقابلے میں اپنے حکمرانوں کے جبر و تشدد اور غیر جمہوری کارروائیوں کے خلاف سینہ سپر ہونا زیادہ جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے۔ جب نظامی صاحب نے انگریز، ہندو کانگرس، نیشنلسٹ مسلمانوں اور پنجاب کی یونینیسٹ پارٹی کی ملی بھگت کے مقابلہ میں چومکھی جنگ لڑی تو انہیں مسلم عوام کی تائید حاصل تھی قیام پاکستان کے بعد جب اپنوں کی حکومت قائم ہوگئی اور نئے حکمرانوں نے جمہوریت کی بجائے آمرانہ رجحانات کا مظاہرہ شروع کر دیا اور نڈر حمید نظامی ان چیرہ دستیوں کے مقابلہ کے لئے ڈٹ کر میدان میں آ گئے تو ملک میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو یہ کہنے لگے کہ اب اپنی حکومت پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ انہوں نے یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ اگر کوئی آزاد اخبار اپنوں کی غیر دانشمندانہ کارروائیوں پر چپ سادھ لے تو وہ رائے عامہ کی ترجمانی اور رہنمائی کے فرض منصبی سے عہدہ برآ ہونے کی بجائے ایک مجرمانہ تغافل کا مرتکب ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی بعض دوسرے نوآزاد ملکوں کی طرح یہ المیہ پیش آیا کہ تحریک پاکستان کے آخری مراحل میں جو لوگ حلقہ بگوش ہوئے ان میں سارے مخلص نہیں تھے۔ البتہ وہ بارسوخ ضرور تھے۔ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ کی بدولت حکومت میں بھی مقام حاصل کر لیا۔ جب تک قائداعظم زندہ رہے ان لوگوں کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد انہوں نے پر پرزے نکالے۔ غلط اندیش حکمرانوں نے حکومت کی جائز مخالفت کرنے والوں کو غدار اور کتے تک کے القابات سے نوازا تو کم ظرف لوگوں نے واہ واہ کے ڈونگرے برسائے اور جس

Marfat.com

اخبار نے اس روش پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اسے نشانہ انتقال بنانے کا مشورہ دیا۔ نوائے وقت سے یہی کچھ ہوتا رہا ہے لیکن اس نے حکمرانوں کا احتساب جاری رکھا۔ اس نے مسلم لیگ والوں کی غیر جمہوری کارروائیوں پر انہیں ٹوکا۔ انہیں یاد دلایا کہ اقتدار آنی جانی چیز ہے ملک کے مقابلہ میں افراد کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اور جو اصول ملک کی عظمت کو دوبالا کر سکیں ان کو کچلنے کی بجائے ان کی پاسداری اور ان کی خاطر قربانی پیش کرنا ہی انسان کا سب سے بڑا فرض ہونا چاہیے۔

اسی دور میں نظامی مرحوم نے جمہورت کی خاطر اپوزیشن کے وجود کی ضرورت پر زور دیا۔ جن لوگوں نے اٹھارہ بیس برس تک ان کے ساتھ کام کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ نظامی صاحب نے اپوزیشن کی حمایت اس انداز سے کبھی نہیں کی کہ اس سے ملک کے مجموعی مفاد کو زک پہنچے۔ مارشل لاء کے دور میں جب بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں مصلحتوں کے پیش نظر بند ہو گئیں تو نوائے وقت ہی اصل مسائل اور ملکی ضرورتوں کی نشان دہی کرتا رہا۔ اگر آج ملک میں بری بھلی اپوزیشن موجود ہے تو اس کی آواز کو عوام تک پہنچانے میں یہی اخبار مقدور بھر خدمت انجام دے رہا ہے تاہم اگر اسے خوشامد پر محمول نہ کیا جائے تو میں یہ بھی کہوں گا کہ جہاں قیام پاکستان کے بعد پرانے مسلم لیگیوں نے اس اخبار کو بند کرنے سے بھی گریز نہیں کیا وہاں مارشل لاء کے بعد نئے حکمرانوں نے کم از کم اتنی رواداری کا ثبوت ضرور دیا ہے کہ انہوں نے اخبار کو بند نہیں کیا اور یہ محسوس کیا ہے کہ آزاد صحافت کی اس آخری شمع کا وجود ختم نہیں ہونا چاہیے۔ مرحوم حمید نظامی کی حب الوطنی اور اسلام دوستی شک و شبہ سے بالا

10272

Marfat.com

تھی۔ وہ پابندیوں کے باوجود اپنی بات کہنے کے ماہر تھے۔ چنانچہ انہوں نے حتی الوسع اعتدال سے بڑھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اسی لئے نگاہوں سے میدان صحافت کے اس روشن ستارے کے اوجھل ہو جانے پر مغربی پاکستان ہائیکورٹ کے سابق چیف جسٹس مسٹر کیانی نے فرمایا تھا:۔

''علامہ اقبال کا..... یا..... قائداعظم کا ذکر کرتے ہوئے مجھے حمید نظامی یاد آتے ہیں۔ کہتے ہیں دنیا عالم حسرت ہے۔ مثلاً اپنے والد کی آخری بیماری میں جب میں تعطیلات گزارنے کے بعد لاہور آ رہا تھا۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ چھ دن ٹھہر جاؤ اور میں نے عذر کیا کہ ہائیکورٹ جب کھلتا ہے تو چیف جسٹس کو موجود ہونا چاہیے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان کی وفات کے وقت میں موجود تھا مگر یہ حسرت دل ہی میں رہی کہ ان کی خواہش پوری نہ کی۔ کچھ اسی طرح کی حسرت حمید نظامی کے متعلق ہے ایسا آدمی جو اعتدال سے بھی نہ بڑھے مگر حد اعتدال پر کھڑے ہو کر افق امکان کے بے پایاں حدود دکھا سکے جو نہ لیڈر بننا چاہتا تھا جس کو نہ ستائش کی تمنا تھا نہ صلہ کی پروہ۔ ایسا آدمی وہ تھا جو اب نہیں ہے۔

شورش صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا میں کہ ''نوائے وقت نے متبادل لیڈر شپ پیدا نہ کی''۔ میں صرف یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ ایک صحافی کا کام متبادلہ لیڈر شپ پیدا کرنا نہیں جوتا۔ وہ ایک سیاسی مفکر ہوتا ہے وہ نظریات پیش کرتا ہے اور ملکی مسائل پر بے باکانہ تنقید کرتا ہے یہی فرض حمید نظامی مرحوم نے بھی انجام دیا۔ وہ غور فکر کی غذا مہیا کرتے رہے اور یہ نوائے وقت کا اعجاز تھا کہ ملک میں متبادل قیادت پیدا کرنے کی ضرورت کا

Marfat.com

احساس پیدا ہوا اور اب یہاں ایسے رہنماؤں کی بھی کوئی کمی نہیں جنہوں نے مختلف جماعتوں کی قیادت کرتے ہوئے ملک وقوم کی خدمت کا فرض بجالانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اب اگر متبادل قیادت خود بے عملی کا شکار ہے تو اس کے لئے نہ وہ حکومت سے گلہ کرنے میں حق بجانب ہے اور نہ اخبارات پر کوئی الزام عائد کرسکتی ہے۔

فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ نظامی صاحب سے معافی پاکر قاتل بھی مقتول ہو جاتا تھا۔ اور انہوں نے لیگ سے شدید اختلاف کے باوصف پرانے اور سیانے مسلم لیگیوں ہی کو مقدم رکھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر نظامی صاحب نے قاتلوں کو بھی معافی دے دی تو یہ کوئی برائی نہیں تھی بلکہ یہ طرز عمل ان کی وسیع ظرفی کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ آخری عمر میں عفوودرگزر کی اس فراوانی سے معلوم ہوتا تھا جسے نظامی صاحب نے پرانے اور سیانے مسلم لیگیوں ہی کو مقدم رکھا تو اس میں بھی کوئی برائی نہیں تھی۔ جس شخص نے مسلم لیگ کو پروان چڑھایا ہو وہ مسلم لیگ ہی سے محبت کرسکتا تھا۔ اور اس جماعت میں کام کرنے والے ہی اس کے مقرب ہو سکتے تھے باقی رہا یہ اعتراض کہ ''نظامی صاحب ان لوگوں کی بھی سرپرستی کر جاتے تھے جن کے متعلق انہیں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی بدولت ملک وقوم کو نقصان پہنچ رہا ہے''۔ تو یہ شورش صاحب کا ذاتی تاثر ہوگا۔ ہم نے تو آخردم تک نظامی صاحب کے حلقہ احباب میں ایسا ایک آدمی بھی نہیں دیکھا جو ملک کی دشمنی کا کبھی تصور تک بھی کرسکتا تھا یا جس کی بدولت ملک کو نقصان پہنچا ہو شورش صاحب لکھتے ہیں کہ نظامی صاحب سیاسی کام کرنے کے بڑے متمنی تھے لیکن ایک جماعت کیونکر فراہم ہوسکتی ہے، خود اس کے لئے کوئی اقدام

Marfat.com

نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں پہلے ہی یہ گزارش کی جا چکی ہے کہ نظامی صاحب نے سیاسی کام صرف اس وقت تک کیا جب تک قیام پاکستان کے لئے مسلم لیگ کے پرچم تلے کام کرنا ہر مسلمان کا فرض تھا۔ جونہی پاکستان قائم ہو گیا اور ملکی استحکام کے لئے تمام محب وطن سیاسی عناصر کو کام کرنے کی کھلی اجازت دینا ضروری ہو گیا نظامی صاحب کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہ رہے اب وہ تمام سیاسی جماعتوں کے محبوب تھے۔ البتہ مسلم لیگ سے ان کی محبت کچھ زیادہ ہی تھی اور ماضی کی دلچسپیوں کے باعث ایک قدرتی بات تھی۔

شورش صاحب نے کہا ہے کہ نظامی صاحب کو ''اپنی رائے پر اتنا اعتماد ہوتا تھا کہ اس کے منوانے پر مصر ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ دوستوں کے غور و فکر کا راستہ رک جاتا تھا''۔ حقیقت یہ ہے کہ نظامی صاحب نے دوستوں کے غور و فکر کے راستے مسدود کرنے کی بجائے غور و فکر کے منبعے کھولے۔ انہیں اپنے دوست بڑے عزیز تھے اور ان کی خاطر وہ وزیروں تک کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ لہٰذا وہ ان سے اپنی رائے منوانے پر کبھی مصر نہیں ہو سکتے تھے۔ بہرحال شورش صاحب مرحوم کے ذاتی دوست تھے۔ وہ گلہ کرنے میں آزاد ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ جن کے بارے میں گلہ کیا گیا ہے وہ اب موجود نہیں ورنہ عین ممکن ہے وہ شورش صاحب کو بھی قائل کر لیتے اور انہیں اب یہ نہ کہنا پڑتا کہ ''نظامی صاحب تنہا فیصلہ کرتے اور دوستوں سے توقع کرتے کہ بلا چون و چرا تسلیم کر لیں گے''۔ جو شخص عمر بھر فکر کی آزادی کے لئے جہاد کرتا رہا وہ دوستوں پر آمریت ٹھونسنے کا تصور کیونکر کر سکتا تھا۔ شورش صاحب نے لکھا'' لیکن اس کا نتیجہ وہی نکلا جو ناگزیر تھا۔ یعنی وہ رحلت کر گئے تو ان کا

Marfat.com

مرکزی وجود بھی ختم ہو گیا۔'' ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ نظامی مرحوم کا مرکزی وجود محض ہوٹلوں کی محفلیں نہیں تھیں۔ مرکزی وجود ان کا اخبار تھا چنانچہ ان کی عظمت کی اس سے بڑی دلیل اور ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ نوائے وقت کی صورت میں ان کا مرکزی وجود اب بھی قائم ہے۔ جن اخبارات نے قیام پاکستان سے پہلے یونینسٹوں کی گداگری کی اور قومی مفادات اور تقاضوں کا خیال نہ رکھا وہ ایک ایک کر کے بزم صحافت سے رخصت ہو چکے ہیں ان میں سے کچھ محض ڈیکلریشن قائم ہونے کی حد تک ممکن ہے باقی ہوں۔ اگر کوئی پرانا اخبار زندہ ہے تو وہ نوائے وقت ہے۔ اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے کہ مختلف ادوار میں متعدد حوادث کے باوجود وہ شمع اب بھی فروزاں ہے اور آج بھی مرحوم کے پرانے ساتھی اپنے مرحوم راہنما کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اسے زندہ رکھنے کی کوششوں میں پوری تندہی سے مصروف عمل ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ یقین پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جائے گا کہ نظامی صاحب کی وفات سے صحافت میں جو خلاء واقع ہوا تھا اسے کبھی پورا نہیں کیا جا سکے گا۔ اور انہوں نے اس میدان میں روشنی کا مینار بن کر جو راہیں دکھائی تھیں ان پر گامزن رہنا ہر دیانت دار صحافی کے لئے سرمایہ افتخار بنا رہے گا۔

ظہور عالم شہید

دفتر نوائے وقت

۲۳ر فروری ۱۹۶۷ء

Marfat.com

حمید نظامی کی موت اتنی اچانک تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی اس بری خبر کو سننے کے لئے تیار نہ تھا۔ اوّل تو یہ ان کی موت کے دن نہ تھے۔ عمر ہی کیا تھی ابھی تو اُنہوں نے زندگی کا سفر شروع کیا تھا۔ انہیں بال و پر لگے تھے۔ اُفق کو اُنہوں نے جھانکا تھا کہ اس کی وسعتیں کہاں تک ہیں دفعتہً سناؤنی آ گئی۔ قدرت کی انمٹ تحریروں کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ اُن کی موت واقع ہوگئی۔ دوستوں نے خیال کیا شاید زندگی اور موت میں آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔ ڈاکٹروں نے نبض پر ہاتھ رکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ رختِ سفر باندھ چکے ہیں۔ لیکن احباب جانکنی میں بھی زندگی کے لوٹ آنے کی خوش فہمی کا شکار تھے۔ انہیں یقین تھا کہ موت اس عمر میں ان مضبوط اعصاب کو چھو بھی نہیں سکتی ہے۔ کوئی صدمہ ان پر غالب آ گیا ہے آناً فاناً اڑنچھو ہو جائے گا۔ نظامی صاحب پھر اسی طرح ہنسیں بولیں گے۔ گھڑی کی سوئیوں اور ان کے ضابطوں میں یکسانی تھی۔ قیاس یہ تھا کہ گھڑی میں اتفاقی نقص پیدا ہو گیا ہے۔ یہ گھڑی ختم نہیں ہو سکتی۔ چلے گی اور ضرور چلی گی۔ دوستوں کے جذبات نزع میں بھی ان سے مایوس نہیں تھے۔ انہیں قدرتِ کاملہ سے اُمید تھی کہ ان ہچکیوں سے وہی قہقہے اُبھریں گے جو ان

Marfat.com

کے متین وخشک چہرے پر پھیل کر نقد ونظر کے خطوط اُبھار دیتے ہیں۔ وہ مرتے ہوئے بھی جی رہے تھے ان کے چہرے پر وہی سنجیدگی و شگفتگی اور تحمل واعتماد پایا جاتا ہے جوان کے بارے میں خاص ہو چکا تھا۔ عالم ارواح کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ مشکل کیا ناممکن! ایک ہی تو چیز ہے جو انسان کے بس میں نہیں کہ موت کیوں آتی ہے اور اس کے بعد انسان پر کیا گزرتی ہے۔ انسان مرتا بھی ہے یا نہیں؟ بہ قول اقبالؔ زندگی موت کی ابتدا ہے اور موت زندگی کا آغاز۔ لیکن یہ محض شاعری یا فلسفہ یا روحانی اقدار کے سفر کا کوئی مقام ہے جہاں انسان کو انشراح صدر ہوتا ہے۔ نظامی جن عادتوں اور خصلتوں کے انسان تھے پھر ان کی توانا صحت جس نہج پر استوار ہوئی تھی۔ موت کے بستر پر ان کا جو حال تھا جتنے دن وہ موت سے جنگ کرتے رہے اُن پر غشی طاری رہی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں خود بھی اپنی موت کا یقین نہیں تھا۔ وہ فرشتہ اجل سے بھی تین روز تک اپنی آزادی کے سلب کئے جانے پر مدافعت کرتے رہے۔ بلآخر پسپا انداز ہو گئے۔ انہوں نے امر ربی کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور دیکھتی آنکھوں واصل بحق ہو گئے۔ ان کی موت پر بہت کچھ لکھا گیا۔ کسی صحافی کا جنازہ اس دھوم دھام سے نہیں اُٹھا۔ جن لوگوں نے زندگی بھر ان سے اختلاف کیا ان کی عظیم اکثریت بھی ان کی جواں موت پر اشکبار تھی۔ میت کو غسل دینے سے میت کو دفنانے تک یقین نہیں آتا تھا کہ حمید نظامی مر گئے ہیں۔ جس نے ایک غریب الحال گھرانے میں پرورش پا کر محلوں میں بھونچال پیدا کر دیا تھا۔ جس کی زبان سے قصر اقتدار کے مینار کانپتے تھے جس کا قلم شمشیر اصفہاں تھا کہ اس کی کاٹ سے وزراتوں کے سر اُڑ جاتے تھے۔ جس کے اداریوں کو بڑے

Marfat.com

بڑوں کے دسترخوان پر ناشتہ سے زیادہ خصوصیت حاصل تھی جس کا اخبار حکومت کے مستبد کنگروں کو ہلا دیتا تھا۔ جس نے اُردو صحافت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ جس کی تحریریں دیہاتی حسن کی طرح سادہ و بے پرواتھیں۔ جس کو ہوا میں گرہ لگانے اور آسمان سے تارے توڑنے کا فن آتا تھا۔ جس نے جھکنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ جو ایک دفعہ فیصلہ کرنے کے بعد پھر اس پر خط تنسیخ نہیں کھینچتا تھا۔ جس نے قلم کی آبرو کو ماں بہن کی عصمت کہا۔ جس کو خریدنا ناممکن تھا۔ جو اخبار نویسی کا ہیرو تھا جس نے بڑے بڑے فرعونوں کی سرکشی کو تہ و بالا کیا۔ جو زخم کھا کے فریاد کرنا عشق کی اہانت خیال کرتا تھا۔ جو دوستوں کے لئے نسیم سحری تھا۔ لیکن دشمنوں کے لئے گرز البرز شکن۔ جس نے اپنی زندگی کے شب و روز کو خاص قسم کے سانچوں میں ڈھال رکھا تھا۔ جو ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتا لیکن اپنا دکھ درد کسی سے بیان نہیں کرتا تھا۔ جس کے پہلو میں دل تھا لیکن اپنوں کے لئے۔ پرایوں کے لئے وہ صرف دماغ سے سوچتا تھا۔ ایک ایسے شخص کا ایکا ایکی اُٹھ جانا۔ موت کا جام پینا۔ کفن پہننا اور قبر کی گود میں ہمیشہ کے لئے سو جانا واقعی ایک سانحہ دل گداز تھا۔ جوش نے کہا ہے۔

کیا نزع کی تکلیفوں کا مزہ جب موت نہ آئے جوانی میں
کیا لطف جنازہ اُٹھنے کا ہر گام پہ جب ماتم نہ ہوا

حمید نظامی کا سفر آخرت اس کی ہو بہو تصویر تھا۔ جب میں نے احباب کے مجمع میں اعلان کیا جو اُس وقت باہر صحن میں بیٹھے تھے۔ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی آ ہی رہے تھے۔ کہ حمید نظامی کے چہرے پر رونق آ گئی ہے۔ انہوں نے قدرے سنبھالا لیا ہے۔ اُس

Marfat.com

وقت مطلقاً احساس نہ تھا کہ ان کی یہ آخری رونق ہے۔اور یہ سنبھالا اُن کا آخری سنبھالا ہے۔ دفعتہً یہ رونق مرجھا گئی۔دھوپ میں اُڑ جانے والے رنگوں کی طرح اُڑ گئی۔اُن کا سنبھالا

شمع بجھتی ہے تو پھر اس سے دھواں اُٹھتا ہے

ثابت ہوا۔اُنہوں نے اپنی بیوی کا ہاتھ بھینچا۔ڈاکٹر مبشر حسن اُس وقت اُن کے پاس تھے۔ان کا بازو تھاما۔جیسے کہہ رہے ہوں۔

اچھا بھائی

کوثر پر آملیں گے حریفان بادہ نوش

شورش کاشمیری دہلیز پہ کھڑا تھا،آغا جی کہا اور آخری ہچکیوں نے مسافر کو رخصت کر دیا۔

حمید نظامی کیا تھے اور کیا نہیں یہ بعض دوسرے عقدوں کی طرح ابھی تک گم شدہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔پاکستان نے اپنی تاریخ کب لکھی ہے کہ حمید نظامی پر قلم اٹھائے۔قائد اعظمؒ کے سوانح حیات ابھی تک تشنہ تکمیل ہیں۔یار لوگوں نے الفاظ کے کھلونے بکھیر کر مطالب کا مینا بازار لگا دیا ہے۔حمید نظامی کو اس ویرانہ آباد میں کون پوچھتا ہے؟ اس سرزمین میں کیا کچھ گم نہیں ہو گیا؟ دماغوں پر بوجھ ڈالئے سوچتے جایئے۔قائد اعظمؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔خان لیاقت علی خان سید اکبر کی گولی کا نشانہ ہو گئے۔ملک غلام محمد کا محلاتی انقلاب آج تک صیغہ راز میں ہے۔اسکندر مرزا جلاوطنی میں پاکستان کا وظیفہ کھا رہا ہے اس کو پاکستان کی جیلوں میں ہوا کھانی چاہئے تھی۔جمہوریت کے ساتھ سیاسی تماش بینوں نے کیا سلوک کیا اس کے اعضاء پر ان قصابوں نے کیسے کیسے چھریاں چلائیں۔

Marfat.com

آمریت نے کیونکر قدم رکھا۔ ماضی میں کیا نہیں ہوتا رہا۔ حال میں کیا نہیں ہو رہا ہے اور مستقبل میں کیا نہیں ہوگا۔۔۔کوئی دانشور اس پر قلم نہیں اُٹھاتا۔اس کی دانش لے دے کے غیر ملکی سیاست کے اُفق پر طوطے مینا اُڑاتی ہے۔کوئی قلم نہیں بولتا۔معلوم ہوتا ہے کہ۔۔۔ دیمک چاٹ گئی ہے۔کوئی شاعر نہیں چہچہاتا۔معلوم ہوتا ہے ان کی زبانوں کو لونی لگ گئی ہے۔کوئی ادیب سامنے نہیں آتا۔معلوم ہوتا ہے انہیں ملک وقوم سے زیادہ تن وتوش عزیز ہیں۔کوئی مورخ نہیں اُٹھتا کہ اس سرزمین میں تاریخ نے اپنا سفر منقطع کرلیا ہے۔

اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

اس خوفناک خلاء میں جب بھیانک صورتیں روشن ہوگئی ہیں۔اور آبدار چہروں کو مسخ کیا جارہا ہے۔حمید نظامی پر قلم اُٹھانا سہل نہیں۔ یہ بھی تاریخ ہی کی جاں کاوی ہے۔ معاصرت کا فتنہ موجود ہے۔ جولوگ برسوں قلم گھساتے رہے اور عمریں اس وادی میں گزار گئے۔انہیں اپنے بزرگ ہونے کا ''احساس کہتری'' روکے ہوئے ہے اور جو اس کے ہم عمر تھے۔اس کے ساتھ رہے، اکٹھا سفر شروع کیا ان کے قلم گنگ ہو چکے ہیں۔بعض کی زبانوں پر مصلحتوں نے قفل ڈال دیئے ہیں۔بعض کی طبیعتیں فکر معاش اور عشق بتاں میں آوارہ تر ہو گئی ہیں۔محسوس سب کرتے ہیں کہ صحافت بیسوا کی جوانی ہوگئی ہے۔قلم ٹوٹے ہوئے ساز ہیں۔قرطاس کی آبرو لٹ گئی ہے اور دوات میں دل کا خون نہیں رہا۔لیکن بازار میں پڑے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ سب سے اُونچی بولی کہاں آکر ٹھہرتی ہے۔

حمید نظامی اور ''نوائے وقت'' لازم وملزوم تھے۔دونوں میں گل وبلبل کا رشتہ تھا۔

Marfat.com

چاند اور چکور کا رشتہ، قافیہ اور ردیف کا آہنگ، سر اور تال کا لازمہ۔ حمید نظامی نوائے وقت کے لئے وہی کچھ تھے جو قائداعظمؒ مسلم لیگ کے لئے۔ اور نوائے وقت اُن کے لئے وہی تھا جو محمد علی جناح کے لئے مسلم لیگ۔ حمید نظامی اور نوائے وقت آپس میں عشق و حسن کا لازمہ تھے۔ ایک ہیر، دوسرا رانجھا، ایک لیلیٰ دوسرا مجنوں، ایک شیریں دوسرا فرہاد، ایک عذرا دوسرا وامق، ایک سسی دوسرا پنوں ایک جسم دوسرا روح، ایک زبان دوسرا بول، ایک لفظ دوسرا معنی ایک آواز دوسرا للکار، ایک نغمہ دوسرے آہنگ، ایک حمید نظامی دوسرا نوائے وقت۔ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے سوچنا ایسا ہی تھا جیسے یہ کہا جائے کہ پاکستان قائداعظمؒ کے بغیر ہی کسی بزرجمہر کی سیاست سے معرض وجود میں آ گیا ہے۔ نوائے وقت نظامی کی بساط سیاست کا ایک ایسا مہرہ تھا جس نے فرزیں کو ہمیشہ شکست دی۔ جس نے ترپ کی ہر بازی جیتی۔ جس نے شطرنج کو اپنے ڈھب پر رکھا اور مقابل کے کھلاڑیوں کو شہ مات دیتا رہا۔ جس نے عمر بھر قلم کی چوگان کھیلی اور آخر کار صحافت کا یہ قطب الدین ایبک چوگان کھیلتے کھیلتے آغوش لحد کی نذر ہو گیا۔

مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اُداس ہے

یہ بتانا سیرت نگار کا کام ہے کہ وہ کون تھے؟ کہاں پیدا ہوئے؟ ان کے والد کیا تھے؟ کب پیدا ہوئے، کب رحلت فرمائی، کتنے بہن بھائی تھے، کتنے حیات ہیں، کتنوں کو موت چاٹ گئی، کس شہر یا قصبہ سے نکلے، کہاں کہاں گئے لاہور کب آئے، کہاں تک تعلیم حاصل کی، کیسے پڑھے، پڑھنے کے بعد کیا کرتے رہے، نوائے وقت کب نکالا، کیسے نکالا،

Marfat.com

کیونکر نکالا، اُس وقت کون کون شریک تھا، ہفتہ وار تھا یا روزانہ، روزنامہ بنا تو کب بنا، اس کے لئے کہاں کہاں کھیڑیں اٹھائیں اور ہاں ان کی شادی کب ہوئی کہاں ہوئی کتنی اولاد ہے کیا کرتی ہے غرض اس سلسلے کی جتنی کڑیاں ہیں وہ ایک محقق کے خط وخال بیان کرنا ہے جو پاکستان بن جانے کے بعد ہمارے ساتھ رہا۔ جس کا اس روز سے قبر تک ہمارے ساتھ تعلق خاطر رہا۔ ہم جس کے اور جو ہمارا ہو گیا تھا۔ جو ناغہ کئے بغیر ملتا۔ ہر روز ملتا تھا اور دن میں دو دفعہ ملتا تھا۔ ہم جس کے مختصر حلقہ احباب کے ''نورتن'' تھے۔ اور جو شہنشاہ نہ ہونے کے باوجود شہنشاہ ہی تھا۔

تھی جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

جس حمید نظامی کو میں نے دیکھا، میں نے پڑھا، میں نے پرکھا، میں نے تولا، میں نے جانچا اور میں نے محسوس کیا۔ یہ کہانی اس حمید نظامی کی ہے۔ یہ اسی کا خاکہ ہے جس میں

زبان میری ہے بات اُن کی

اس کی اس کہانی میں الفاظ میرے ہیں معانی اس کے تحریر میری ہے تصویر اس کی۔ صورت میں نے بنائی ہے سیر اس کی قلم ہے۔ سوانح اُس کے جو ایک کھلی کتاب تھی جس میں کوئی خم نہیں تھا۔ کوئی شتر گربہ نہیں تھا۔ جو ہر الطیاء جلی اور ایطا و خفی سے پاک تھا۔ جس میں شاعرانہ نسبتوں کی رو سے کوئی عیب تنافر نہ تھا۔ جو ایک مربوط نظم تھا لیکن نہیں، نظم مربوط ہو یا غیر مربوط، معریٰ ہو یا آزاد بہر حال نظم ہوتی ہے۔ اس میں الفاظ بولتے، مطالب گنگناتے، افکار چہچہاتے اور اشعار مسکراتے ہیں۔ اس میں بہر حال ردیف و قافیہ کا مصرعوں کے اعتبار

Marfat.com

ہی سے ایک دلفریب آہنگ ہوتا ہے۔۔۔۔۔وہ فلسفہ کی کتاب کی طرح خشک تھا اور تاریخ کے بہاؤ کی طرح رواں۔اس سے بھی بہتر تشبیہہ ریاضی سے دی جاسکتی ہے کہ وہ ہندسوں کی طرح ضرب و تقسیم اور جمع و تفریق کا طے شدہ حاصل تھا۔اسے قانون کے مخصوص الفاظ کی طرح ادھر اُدھر ہٹایا نہیں جاسکتا تھا۔

.....☆.....☆.....☆.....

Marfat.com

میں ان کا پرانا واقف تھا۔ میں بھی لاہور میں نامور ہوا۔ وہ بھی لاہور میں پروان چڑھے۔ وہ اپنے آبائی قصبہ سانگلہ ہل سے لاہور آئے تھے۔ جن دنوں لاہور آئے ایک نانے قد کے منحنی سے بے رونو جوان تھے۔ انہوں نے اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا اور زندگی بنانے میں لگ گئے۔ ان کے سامنے اُس وقت ایک ہی نصب العین تھا اور وہ تھا حصول تعلیم۔ ان کے ہم جماعت رفقاء میں بہت سے نوجوان مثلاً جسٹس انوارالحق، کرنل امجد حسین سید، خان عبدالستار خان نیازی، مرزا عزیز بیگ، مسٹر اسلم صدیقی، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، مسٹر ظہور عالم شہید، مولوی اکرام الحق، ابو یوسف قاسمی اور بعض دوسرے احباب شامل تھے۔ لیکن

او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم،

اس وادی میں صرف چار ہم جماعت نوجوانوں نے قدم رکھا۔ عزیز بیگ نے انگریزی جرنلزم اختیار کیا لیکن بہت جلد اس خارستان سے نکل گئے۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید وراثت صحافی تھے۔ ان کے والد مولانا عبدالمجید سالکؔ نے انہیں اسی فن میں پروان

Marfat.com

چڑھایا۔ مگر اخبار نویسی سے نکل کر اخبار آموزی میں لگ گئے یعنی یونیورسٹی میں شعبہ صحافت کے اُستاد ہو گئے۔

ظہور عالم شہید شروع دن سے نوائے وقت کے ساتھ منسلک ہیں اور اس وقت ملک کے بہت بڑے نیوز ایڈیٹر اور جرنلسٹ سمجھے جاتے ہیں۔ قدرت نے ان کے قلم میں بھی مرحوم نظامی کی خو بو رکھ دی ہے۔ نظامی صاحب نے جوں توں کر کے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے زندگی کو ہر طرح برتا۔ دن رات محنت کی۔ ان کے والد کا یہ سایہ عنفوان طفلی ہی میں اُٹھ گیا تھا۔ وہ صبح و شام محنت کرتے۔ ٹیوشن پڑھاتے اور اس سے جو کماتے اس سے تعلیم کے اخراجات پورے کرتے۔ عرب ہوٹل ان دنوں ان کی آماجگاہ تھا۔ اسلامیہ کالج کے بہت سے خوب رو اور ذہین بے رو اور فطین طلبہ اسی ہوٹل میں بیٹھا کرتے تھے۔ جو کالج کے دروازہ پر چٹ پٹے کبابوں کے لئے مشہور تھا۔ ان طلبہ کے علاوہ لاہور کے بعض جواں سال اور کہنہ مشق جرنلسٹ مثلاً مولانا چراغ حسن حسرت، مولانا مرتضیٰ احمد میکش، مسٹر آئی اے درّانی، حاجی لق لق، مسٹر دلبر حسن مسحور اور ''پرتاب'' کے مسٹر نیپالی بھی عرب ہوٹل ہی میں نشست جماتے تھے۔ شاعروں کی ایک بڑی کھیپ بھی یہیں جمع ہوتی مثلاً اختر شیرانی وغیرہ، افسانہ نگار بھی یہیں چلے آتے مثلاً کرشن چندر، عاشق حسین بٹالوی، جو اُن دنوں افسانے لکھا کرتے تھے اور ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ ''سوز ناتمام'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔

عرب ہوٹل دراصل اہل قلم کی خالی جیبوں کے بھرم بھاؤ کا محافظ تھا۔ جتنا نقد چلتا اتنا ادھار، لیکن ادھار کھانے والے چٹ کر جانے والے نہیں تھے۔ نظامی مرحوم بھی عموماً

Marfat.com

یہیں بیٹھتے اور روکھی پھیکی کھا کر گزر بسر کرتے تھے۔اس زمانے میں وہ کچھ زیادہ خوش پوش بھی نہ تھے۔معمولی لباس اور معمولی خوراک۔قدرت نے ان کے چہرے سے دلکشی سلب کی ہوئی تھی۔فی الجملہ ان میں حسن و رعنائی کا شائبہ تک نہ تھا۔معلوم ہوتا تھا کالج کے خندہ رو نوجوانوں کی ڈار میں ''اغلاط نامہ'' ہیں۔اس کے باوجود کہ وہ خوب رؤوں میں نہیں تھے لیکن حسین نہ ہونے کی تلافی ذہین ہونے سے ہوگئی تھی۔وہ بلا کے ذہین طالب علم تھے۔اپنے سبق کے علاوہ عام معلومات پر بھی انہیں عبور تھا۔اسی زمانہ میں انہوں نے ڈاکٹر ستیہ پال کے اخبار ''نیشنل کانگرس'' میں ملازمت کی۔چراغ حسن حسرت روایتی طور پر ان کے اُستاد ہوگئے۔دنوں تک وہاں خبروں کا ترجمہ کرتے رہے۔آخر اس سے الگ ہو گئے۔یہ زمانہ کانگرسی رہنماؤں سے ان کے تنفر کے آغاز کا تھا۔ان پر کانگرس کے نیتاؤں کی صورتیں آشکار ہوگئیں کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

اُنہوں نے بمصداق بھاری پتھر تھا اُٹھ نہ سکا، چوم کے چھوڑ دیا۔زندگی کے دکھ کیا ہوتے ہیں اُن پر صبا رفتاری کے ساتھ عیاں ہوتے گئے۔اُنہوں نے زندگی کو اس کے تمام دکھوں اور اس کی تمام اذیتوں کے ساتھ گزارا، قلم کی محنت شروع کی۔اسی زمانہ میں اُردو نثر نگاروں کا ایک تذکرہ ''داستانِ ادب'' کے نام سے لکھا۔جو مالی ضرورتوں کی خانہ پری کے لئے ایک نامور پبلشر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔یہ تذکرہ آج تک اسی پبلشر کے نام پر طبع

Marfat.com

ہو رہا ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے پبلشر سے کہا تھا کہ اب تو اس کتاب کو ختم کر دینا چاہئے۔ کیونکہ اُردو زبان کے اہل قلم میں اضافہ ہو چکا ہے اور جو کچھ اس میں درج ہے اس کے متعلق مزید تحقیقات سامنے آ گئی ہیں۔ لیکن پبلشر جوان دنوں نیاز مند بن چکا تھا۔ مسکرا کر طرح دے گیا۔ کہنے لگا فی الحال تذکرہ چل رہا ہے اور لوگوں میں اس کی مانگ موجود ہے۔ کچھ زیادہ ایڈیشن بھی نہیں چھپے ابھی پندرہ سولہ ایڈیشن ہی نکلے ہیں۔

غرض بی۔اے تک نظامی صاحب نے اسلامیہ کالج میں لسٹ پسٹم بسر کی۔ ایم۔اے انگلش میں داخلہ کا مرحلہ آیا تو ایف سی کالج میں چلے گئے۔ اور وہاں سے ایم۔اے کیا۔ اس کے بعد ان کے سامنے بے شمار راہیں کھلی تھیں مثلاً قلم ان کے پاس تھا اور وہ بے عیب اُردو لکھنے، صاف ستھرا ترجمہ کرنے اور انگریزی مضامین کا مافی الضمیر اُردو میں ڈھالنے پر قادر ہو چکے تھے۔ بعض دوستوں نے انہیں اُستاد بن جانے کا مشورہ دیا۔ وہ اسکول میں بھی مدرس ہو کر جا سکتے تھے۔ اور کالج میں بھی ایک دوسرا ایم اے کرنے کے بعد پڑھا سکتے تھے۔ ان کے سامنے ملازمت کے دروازے کھلے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کچھ دنوں چودھری محمد حسین سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ کی ماتحتی میں ترجمہ کا کام بھی کیا۔ لیکن سرکاری ملازمت سے چونکہ مناسبت نہ تھی اس لئے فقر و فاقہ کے دنوں سے آسودگی کے فوراً بعد پریس برانچ سے مستعفی ہو گئے۔ یہ غالباً بی اے کرنے کے بعد ملازمت کا ایک دور تھا۔

.....☆.....☆.....☆.....

Marfat.com

بعض ہم خیال دوستوں کے ساتھ مل کر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد رکھی۔ اس لحاظ سے گویا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے بانیوں میں سے تھے۔ یہی دن تھے جب اُنہوں نے قائداعظمؒ سے رابطہ پیدا کیا۔ اور طلبہ میں بہت جلد اپنی دیانت وصیانت کے باعث معتمد ہو گئے۔ قائداعظمؒ نے ابھی تک پاکستان کے نظریہ کو لیگ کا باقاعدہ سیاسی موقف نہیں بنایا تھا۔ ابھی وہ اس پر سوچ ہی رہے تھے لیکن حمید نظامی سٹوڈنٹس فیڈریشن کی طرف سے مختلف شہروں میں پاکستان پر تقریریں کر رہے تھے۔ گو اُس وقت ان کی آواز کا وہ مقام نہیں تھا۔ لیکن بعد میں یہی آواز قوم کی آواز ہوگئی۔ اور جب قائداعظمؒ نے اس پر مہر توثیق ثبت کی تو قرارداد لاہور کا نام ہی پاکستان ہوگیا۔

نظامی صاحب ایک سلجھے ہوئے مقرر تھے۔ ان میں ایک پارلیمانی مقرر اور سیاستدان خطیب کی خصوصیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ لیکن جب اُنہوں نے نوائے وقت کو ہفتہ وار جاری کیا۔ تو خطابت سے دستبردار ہو گئے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ خطابت اور صحافت ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ آدمی کو ایڈیٹر ہونا چاہئے یا مقرر۔ دونوں میں شاذ ہی کوئی شخص پرواز کر سکتا ہے۔

Marfat.com

گیارہ ستمبر ۱۹۳۹ء کو میں ملتان میں گرفتار ہو کر ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۲۱ کے تحت سات سال کے لئے قید ہو گیا۔ ہمارے پیچھے کیا ہوا ایک قیدی کی حیثیت سے کچھ معلوم نہ تھا۔ سات برس اس زمانہ میں سات صدیاں تھیں۔ ملکی سیاست سے قطع نظر عالمی سیاست کا پانسہ پلٹ رہا تھا۔ کئی سفینے ڈوب اور کئی ابھر رہے تھے۔ احرار تو فوجی بھرتی کے خلاف نعرہ زنی کی پاداش میں فنا ہو گئے۔ کانگرس نے پہلے وزارتوں سے استعفیٰ دیا۔ پھر انفرادی ستیہ گرہ کیا۔ پھر ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک چلائی۔ مسلم لیگ نے لاہور میں سالانہ اجلاس کر کے پاکستان کو اپنا نصب العین بنا لیا۔ ہندو اخباروں نے پاکستان کے خلاف اتنا ہنگامہ برپا کیا کہ قائداعظمؒ نے ایک دفعہ خود فرمایا کہ پاکستان کی تحریک عام کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ ہندو اخباروں کے منفی رویہ کا ہے..... میں رہا ہوا تو کائنات ہی پلٹا کھا چکی تھی۔

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیانہ تھا

کانگرس کے راہنما مسلم لیگ کے ہاتھوں دو قومی نظریہ سے پٹ چکے تھے۔ دو

Marfat.com

قومی نظریہ ملک میں راسخ ہو چکا اور مسلمانوں کی پچانوے فیصد اکثریت اس پر متفق تھی۔ ہٹلر بازی ہار گیا۔ مسولینی کو پھانسی لگ گئی۔ گویا زمین و آسمان نے کاملاً ہیبت تبدیل کر لی میں ایک روز پولیس کے تھانے سے ہفتہ وار حاضری دے کر لوٹا تو کافی ہاؤس میں رک گیا۔ وہاں بہت سے کمسن چہرے جوان ہو چکے تھے۔ اور کافی کے مشروب میں مستغرق سگریٹوں کا دھواں چھوڑ کر مرغولے بنا رہے تھے۔ ایک گوشہ میں حمید نظامی چند خوش چہرہ نوجوانوں کے ساتھ فروکش تھے۔ میں نے پرانی جان پہچان یا علیک سلیک کی بناء پر مصافحہ کیا لیکن ان میں گرمجوشی نہ تھی اور اس کا سبب بھی ظاہر تھا کہ ہم دونوں مخالف سمتوں کے مسافر تھے۔ وہ قائداعظمؒ کے پیروکار تھے میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کا مقلد تھا اس لئے مجھے ان کی سرد مہری پر تو افسوس نہ ہوا لیکن اپنے ہاتھ بڑھانے پر ملال ضرور ہوا۔

غرض ''نوائے وقت'' انہی دنوں ہفتہ وار سے روزنامہ ہو گیا اور دیکھتی آنکھوں تمام مسلمان اخباروں میں بازی لے گیا۔ جب مسلم لیگ کی تحریک نے زور پکڑا تو نوائے وقت کا بول بالا ہوا۔ روزنامہ ''شہباز'' سید امجد علی (سابق وزیر مالیات) کی وساطت سے یونی نسٹ پارٹی کی ملکیت ہو گیا تھا۔ مولانا مرتضیٰ احمد میکش دل و جان سے پاکستانی تھے۔ انہوں نے خضر وزارت سے قائداعظمؒ کی لڑائی ہوتے ہی ''شہباز'' کو فی الفور چھوڑ دیا۔ نظامی صاحب نے اس پر افتتاحیہ لکھا اور ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے نوائے وقت کے ادارۂ تحریر میں شمولیت کی پیشکش کی مگر مولانا میکش گوشہ نشین ہو گئے۔ یہاں ایک دلچسپ بات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ تحریک کے اس زمانۂ شباب میں نوائے وقت کے

Marfat.com

ادارۂ تحریر میں ماہنامہ تحریک دہلی کے ایڈیٹر مسٹر گوپال متل بھی شامل تھے۔ جو عقیدۂ دہریہ اور سیاستۂ ایم این رائے کے ساتھی تھے۔ وہ ایک خوشگو شاعر ایک اچھے نثر نگار اور ایک قابل قدر صحافی تھے اُن دنوں وہ نوائے وقت میں بین الاقوامی سیاست پر کالم لکھا کرتے۔ انہیں بھی رائیسٹ ہونے کی وجہ سے کانگرس کے پروگرام سے سخت اختلاف تھا۔ نوائے وقت ان دنوں بیڈن روڈ سے نکلتا تھا۔ جب فسادات کی آگ بھڑک اُٹھی اور خون انسانی پانی ہو گیا تو نوائے وقت کا دفتر شاہ دین بلڈنگ مال روڈ پر آ گیا۔ اب نوائے وقت محض ایک اخبار ہی نہیں رہا ادارہ بن گیا تھا۔ نکلنے کو تو ''زمیندار'' بھی نکلتا تھا۔ اور خوب نکلتا تھا۔ لیکن

وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

نوائے وقت بالا و بلند ہوتا گیا۔ اور دنوں ہی میں اُردو روزناموں کا سرخیل ہو گیا۔ ''ڈان'' کی طرح اس کو ایک تحریک کی خصوصیت حاصل ہو گئی۔ ایک ادارہ ایک تنظیم اور ایک انجمن کے درجہ پر فائز ہو گیا۔ اس نے مسلم لیگ کے حق میں پراپیگنڈے کے تمام اسرار و رموز سے فائدہ اُٹھایا۔ اس کو احساس تھا کہ اس وقت وہ جنگ کے میدان میں ہے اور جنگ میں سبھی قسم کے حربے جائز ہوتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی طاقت ایک تو اس کے ایڈیٹر حمید نظامی کا فہم اور قلم تھا۔ دوسرے اس کی پشت پناہی مسلم لیگ کے زعما اور وہ تمام مسلمان افسر کر رہے تھے۔ جو اس وقت حکومت کے ایوان میں موجود تھے۔ اور پاکستان کی تحریک کو شد و مد سے آب و غذا مہیا کر رہے تھے۔ نوائے وقت خبروں ہی کا مخزن نہیں تھا بلکہ وہ رازہائے درون پردہ کو بھی بے نقاب کر رہا تھا۔ اس کی سپلائی لائن (Supply Line)

Marfat.com

بہت مضبوط تھی مرکزی حکومت کے ذمہ دار مسلمان افسر اور صوبائی حکومت کے ارباب بست وکشاد جو تحریک پاکستان کے دل و جان سے حامی تھے۔ نوائے وقت کو سرکاری راز پہنچانا قومی خدمت کا حصہ سمجھتے تھے۔ نتیجتاً نوائے وقت تحریک پاکستان کی آواز ہو گیا۔ حمید نظامی کے عروج و اقبال کا یہی زمانہ تھا۔ جب وہ شہرت اور عزت کے بام رفعت پر پہنچ گئے تو کئی افسر اُن کے ذاتی دوست بن گئے۔ خود قائداعظمؒ نے انہیں ورکنگ کمیٹی میں لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن حمید نظامی نے انکار کیا اور قائداعظمؒ سے کہا:

> قائداعظمؒ! آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر، میں آپ کا ادنیٰ پیروکار ہوں لیکن ورکنگ کمیٹی میں شمول سے مجھے معاف رکھیں میں فی الحال اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے معذور ہوں یہ ایک بڑی نازک ذمہ داری ہے جس کو ہر کہ ومہ نہیں اُٹھا سکتا۔ آپ کی مجلس عامہ میں شامل ہونا سب سے بڑا قومی اعزاز ہے لیکن ابھی میں اس مقام تک نہیں پہنچا۔ مجھے مجلس عاملہ کی رکنیت کی بجائے آپ کی شفقت درکار ہے۔ اور بحمداللہ وہ مجھے حاصل ہے۔

نظامی صاحب نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ قائداعظمؒ اس نکار سے ناراض نہیں ہوئے۔ بلکہ مسرور ہوئے انہوں نے ایک صوبائی لیڈر کے شانہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا..... ''دیکھا بعض لوگ مجلس عاملہ کی رکنیت کے لئے بھاگے پھرتے

Marfat.com

ہیں۔ اور قائداعظمؒ کو سفارش کرتے ہیں۔ کیا انہیں پتہ نہیں کہ قائداعظمؒ سفارش اور رشوت کے سخت دشمن ہیں۔ قائداعظمؒ کو ان انسانوں کی ضرورت نہیں جو خود کسی عہدے کی خواہش کریں۔ قائداعظمؒ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں۔ جو حمید نظامی کی طرح قابلیت اور انکسار رکھتے ہوں''۔

نظامی صاحب نے اس ضمن میں قائداعظمؒ کا ایک خط بھی دکھایا جو انہوں نے بمبئی سے لکھا تھا جس سے مترشح ہوتا تھا کہ انہیں حمید نظامی پر کس قدر اعتماد تھا اور وہ انہیں کتنا عزیز رکھتے تھے۔ یہ خط غالباً ہفتہ وار چٹان میں چھپ چکا ہے یا پھر نظامی صاحب کے ذخیرہ میں محفوظ ہوگا۔ کیونکہ اہم خطوط وہ بڑی حفاظت سے رکھتے تھے۔ تحریروں کو محفوظ رکھنا ان کی عادت میں داخل تھا۔ اور اس لحاظ سے وہ ایک ہوشیار سیاستدان تھے۔

پاکستان بنا تو ''نوائے وقت'' ملک کے اخباروں میں کئی پہلوؤں سے سرخیل ہو گیا۔ قائداعظمؒ کی وفات تک نوائے وقت نے اپنا رویہ حکومت کے حق میں رکھا لیکن وزراء کی حمایت یا اس قسم کی سرکاری پبلسٹی جو آجکل اخبارات کا طرۂ امتیاز ہو چکی ہے اس سے اجتناب کیا۔ یہ وقت حکومت کی مشینری کو فٹ کرنے اور بعض خاص افراد کو خاص جگہوں پر لگانے کا تھا۔ لیکن نوائے وقت نے ان دنوں میں بھی حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ انگریز افسروں پر فراخدلی سے بھروسہ نہ کرے۔ بعض مسائل ایسے ہیں جن کے افشا ہونے پر مختلف قسم کی اڑچنوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔ نظامی صاحب کی بصیرت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اشارتاً جنرل گریسی کو کمانڈر انچیف کے عہدے سے سبکدوش

Marfat.com

کئے جانے پر اصرار کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ جہاد کشمیر میں جنرل گریسی مفید نہیں ہو سکتے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ گریسی نے پاکستان کے کشمیر پر حملہ کو روکنا چاہا۔ ماؤنٹ بیٹن کو اطلاع کی اور اس طرح کئی رازوں کو برطانوی دفتر خارجہ میں منتقل کیا۔

قائداعظمؒ کی رحلت کے بعد ''نوائے وقت'' نے ممدوٹ وزارت کی سبکدوشی پر خان لیاقت علی خان کے بعض سیاسی عزائم سے اختلاف کیا۔ اسی اختلاف کی شدت کا نتیجہ سر فرانسس موڈی گورنر پنجاب کی سبکدوشی کا مطالبہ تھا۔ پہلے تو یہ مطالبہ دھیرے دھیرے اُبھرا پھر زور پکڑ گیا۔ نظامی مرحوم کی عادت تھی کہ جس شخص یا جماعت کو وہ ہدف تنقید بناتے اس کے خلاف مہم کا آغاز ایڈیٹر کے خطوط سے کرتے پھر خبریں نکلتیں۔ اس کے بعد ''سرِ راہے'' میں مذاق اڑاتے آخر میں اداریوں میں پٹخنی دیتے نتیجتاً ایک تحریک پیدا ہو جاتی۔ چاروں طرف ایک سی آوازیں اُٹھنے لگتیں دیکھتی آنکھوں ایک مسئلہ، مطالبہ ہو کر لوگوں کے دل و دماغ میں اُتر جاتا۔ حکومت دیکھتی، سوچتی رہ جاتی۔ بالآخر سپر انداز ہو کر اس مطالبہ کی سچائی کو تسلیم کر لیتی۔ ان معرکوں میں عام اخبار ان سے الگ تھلگ رہتے بلکہ محکمہ تعلقات عامہ کی شہ پر حکومت کی تائید و حمایت کرتے، نوائے وقت پر کیچڑ اچھالتے مگر وہ ان اخباروں کو شاذ ہی منہ لگاتے تھے ذاتیات میں بالکل نہ الجھتے۔ اپنی دھن میں لگے رہتے۔ اور اس قسم کا پروپیگنڈا کرتے کہ دشمن زیر ہو جاتے۔ سر فرانسس موڈی کو بالآخر سبکدوش ہونا پڑا۔ ان کی سبکدوشی دراصل خان لیاقت علی خان کی پنجاب میں پہلی سیاسی شکست تھی۔ اس کا ایک خاص نتیجہ یہ نکلا کہ خان لیاقت علی خان اور حمید نظامی میں ٹھن گئی۔ نوائے وقت ان کا نکتہ چین ہو

Marfat.com

گیا۔اس نکتہ چینی نے سنگینی کی شکل اختیار کر لی اور سنگینی اتنی بڑھی کہ نوائے وقت کی ''رگ جاں'' کے لئے ''چھری'' ہوگئی۔

نظامی نے اخباروں پر سیفٹی ایکٹ کے استعمال اور ایڈوائزری کمیٹی کے تقرر کے سوال کو ایک نیا موضوع یا مسئلہ بنالیا۔اب جو اس کے خلاف انہوں نے قلم اٹھایا تو اس کی گونج دور دور تک چلی گئی۔خواجہ شہاب الدین اس زمانہ میں وزیر داخلہ اور وزیر اطلاعات تھے۔ان کے کاٹے کا بھی علاج نہیں۔جس کو ایک دفعہ ڈس لیں اس کا بچنا محال ہوتا ہے۔ حمید نظامی کا ان سے اس سوال پر بگاڑ ہوگیا۔وہ سرفرانسس موڈی کی مہم میں اندر خانہ ان کو یقین دلا رہے تھے کہ مطالبہ صحیح ہے اور بروایت خود بھی گورنری کے اُمیدوار تھے۔لیکن لیاقت علی خاں کے روبرو انہوں نے دوسری پوزیشن اختیار کی..... نظامی صاحب ہمراہیوں اور ساتھیوں کے دوغلہ پن سے سخت خفا ہو جاتے۔چونکہ وہ خود پختہ وعدہ کے انسان تھے لہٰذا اپنے دوستوں کو بھی وعدہ کا پختہ دیکھنا چاہتے تھے۔خواجہ صاحب نے پی این ای سی کے ارکان کو اپنے سانچہ میں ڈھالنا شروع کیا۔اس وقت تک پی این ای سی کے صدر الطاف حسین اور سیکرٹری جنرل حمید نظامی تھے۔نظامی صاحب اخباروں پر سیفٹی ایکٹ کے استعمال کو اصولاً غلط گردانتے رہے۔اگرچہ اُس وقت تک کسی اخبار پر اس کا استعمال نہیں ہوا تھا۔لیکن انہیں یقین تھا کہ اس کا استعمال مخصوص مقاصد کے تحت ضرور ہوگا۔اور حکومت جب اس قسم کے قانون بناتی ہے تو اس کے سامنے خاص افراد کی من مانی کے مخفی مقاصد ہوتے ہیں۔خواجہ شہاب الدین نے نظامی صاحب کی اس مہم کو ملفوف کرنے کے لئے

Marfat.com

ایڈوائزری کمیٹی کا شوشہ چھوڑا کہ جب تک اخباروں کے نمائندوں پر مشتمل کمیٹی کسی اخبار کے مسئلہ کو ہاتھ میں نہیں لے گی اور وہ سفارش نہ کرے گی کسی اخبار سے باز پرس نہ ہوگی۔ نظامی صاحب، خواجہ صاحب کے اس وعدہ کی حقیقت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ کمیٹی جن نمائندوں پر مشتمل ہوگی ان کی اکثریت کیسی ہوگی۔ نظامی صاحب نے اس پر قلم اٹھاتے ہوئے لکھا کہ اخبارات کو سیفٹی ایکٹ کا شکار بنانے کے لئے حکومت کیا پخت و پز کر رہی ہے.....؟

اخبارات کا جرم ڈھکا چھپا نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ لکھتے ہیں چھپ کر پبلک میں آ جاتا ہے۔ اگر کوئی اخبار تعزیرات پاکستان کے تحت کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلانا چاہئے تا کہ قانون شہادت مجروح نہ ہو اور ملزم کو شکایت نہ رہے کہ اسے بے گناہ سزا دی گئی ہے۔ اس ساری کشمکش سے عہدہ برآ ہونے کے لئے پی این ای سی کا اجلاس کراچی میں بلایا گیا۔

نظامی صاحب سے اُس وقت تک میرے تعلقات نہ ہونے کے برابر تھے۔ میں روزنامہ ''آزاد'' کا ایڈیٹر تھا۔ ایک دفعہ صوبائی کمیٹی میں اس کے طلب کرنے پر گیا تو وہاں بحیثیت رکن وہ بھی موجود تھے۔ فیض احمد فیض کمیٹی کے صدر تھے۔ معلوم ہوا کہ ''آزاد'' میں کرشن چندر کا افسانہ ''پشاور ایکسپریس'' چھپا ہے جس سے پاکستان کی اہانت ہوتی ہے۔ میں اپنا ایک مختصر سا بیان دے کر واپس آ گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ مجھے اشاعت سے پہلے اس افسانے کا علم ہی نہ تھا۔ ایڈیٹر میں ضرور تھا۔ لیکن عملہ کے ایک دوسرے دوست نے جائزہ

Marfat.com

لئے بغیر چھاپ دیا۔ بہر حال اس افسانہ کی پاداش میں ''آزاد'' سے پانچ سو کی ضمانت طلب کر لی گئی۔ مولانا اختر علی خاں نے فون پر بتایا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد حمید نظامی نے اخبار کو قطعی بند کر دینے کا مشورہ دیا لیکن معاملہ ضمانت پر ختم ہو گیا۔ نظامی صاحب کو بھی کسی طرح مولانا اختر علی خاں کی اطلاع کا علم ہو گیا۔ انہوں نے برسوں کے بعد بلکہ نوائے وقت کی زندگی میں پہلی دفعہ مجھے فون کیا کہ آپ نے واشگاف تردید کی۔ کہنے لگے اگر آپ دفتر زمیندار میں چلنے کو تیار ہوں تو میں وہاں پہنچ کر روبرو تردید کرنے اور مولانا اختر علی خاں کی غلط بیانی پر احتجاج کو تیار ہوں۔ کمیٹی کی کارروائی راز میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ آپ فیض احمد فیض سے پوچھ سکتے ہیں کہ ''آزاد'' کے معاملہ میں کس نے کیا کہا۔ میں نے فیض کو فون کیا اور ان سے پوچھا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ انہوں نے مولانا اختر علی خاں کی حکایت پر قہقہہ لگایا اور فرمایا کہ آپ کے مسئلہ میں حمید نظامی شروع سے آخر تک خاموش رہے۔ چونکہ افسانہ ان حالات میں واقعی پہلو دار تھا۔ لہٰذا چودھری صاحب سے کہا گیا کہ وہ کوئی سخت اقدام نہ کریں فی الحال اخبار کو انتباہ کر دیں یا معمولی رقم کی ضمانت لے لیں۔ اس کے علاوہ آپ سے جو کچھ کہا گیا وہ محض افسانہ ہے۔ مولانا اختر علی خاں نے آپ سے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے۔ آپ میری طرف سے انہیں کہہ سکتے ہیں:

دروغ گو را حافظہ نہ باشد

ایک روز ''قندیل'' کا پروف ریڈر ظہور الحسن ڈار، جو بدقسمتی سے میرا نیاز مند سمجھا جاتا تھا۔ میرے ہاں آیا اور کہنے لگا کہ نظامی صاحب سیفٹی ایکٹ کے معاملہ میں آپ سے

Marfat.com

بات کرنا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ آپ پی این ای سی کے ممبر بن جائیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ وہ مجھ سے وعدہ لے کر واپس چلا گیا۔ اور پی این ای سی کی رکنیت کے فارم لے آیا۔ میں نے خانہ پری کر کے دستخط کر دیئے۔ اور سالانہ چندہ کا چیک حوالہ کیا۔ اگلے روز دس بجے صبح میں دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ اچانک نظامی صاحب آ گئے۔

نظامی صاحب؟

میرے لئے ان کی تشریف آوری اچنبھے کا باعث تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ وہ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے ''چٹان'' کی تعریف کی۔ پھر سیفٹی ایکٹ کے اندرونی رازوں کا پردہ چاک کیا اور بتایا کہ ارباب اختیار کیا سوچ رہے ہیں۔ آخر میں مجھ سے شام کو لورینگ میں اکٹھے چائے پینے کا وعدہ لے کر چلے گئے..... القصہ اسی روز ۵ بجے شام میں لورینگ ریستوران پہنچا تو نظامی صاحب برآمدے ہی میں حسب معمول براجمان تھے۔ میز کے گرد کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر ہر روز شام کو ان کے جگری دوست فروکش ہوتے۔ چائے پیتے گپ چلتی اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ کی نشست کے بعد یہ اجلاس ختم ہو جاتا۔ جس وقت میں پہنچا اس وقت نظامی صاحب اکیلے ہی تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک قبول صورت نوجوان جو نظامی صاحب کا پوزیٹو تھا۔ وارد ہو گیا۔ نظامی صاحب نے تعارف کراتے ہوئے کہا:

Marfat.com

''شیخ حامد محمود''

میں نے ان کا نام بھی سن رکھا تھا۔ وہ مطبوعات نوائے وقت کے ہفتہ وار اخبار ''قندیل'' کے مینجنگ ایڈیٹر اور ''نوائے وقت'' کے کاروباری انتظامات میں: ٹیکنیکل ڈائریکٹر تھے۔ میں نے تنقیدی نگاہوں سے ان کا جائزہ لیا۔ وہ ایک قبول صورت نوجوان ہونے کے علاوہ نظامی صاحب کے رکھ رکھاؤ سے اُلٹ ہنس مکھ، باغ و بہار، خندہ جبیں اور خوش باش نوجوان تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ نظامی صاحب اگر افتتاحیہ ہیں تو وہ مطائبات ہیں۔ دونوں یکجا ہو کر نوائے وقت بنتے تھے۔ اتنے میں اور دوست بھی آنے لگے۔ ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ جو ''ہفتہ نوائے وقت'' کے زمانے سے ان کے جگری دوست تھے۔ شیخ خورشید احمد جنہیں بلبل ہزار داستان کہا جاتا۔ میاں بدیع الزمان ایڈووکیٹ جو خشک طبیعت کے زندہ دل انسان تھے۔ اس وقت تو انہی لوگوں سے تعارف ہوا۔ لیکن نظامی صاحب کے حلقہ احباب میں کمی بیشی ہوتی رہی آخری دس سال میں جو لوگ ان کے ساتھ منسلک ہو گئے یا ان کی مجلس کے ارکان و جوارح کہلاتے تھے۔ ان میں ڈاکٹر نسیم حسن شاہ، میاں محمد امین، مسٹر اصغر بھٹی، شیخ عطاء اللہ سجاد، اور میاں کفایت علی منفرد و ممتاز تھے۔ ان کے ساتھ گپ لگتی، لطیفے گھڑے جاتے، بذلہ سنجی ہوتی، ضلع جگت ہوتا، پھبتیاں اڑتیں، طعن و تشنیع کے غبارے چھوڑے جاتے مطائبات کا سماں بندھتا، فکاہات کی بازی بدتے۔ فقرے تراشے جاتے، جملے وضع ہوتے، شاعری کا دور چلتا، خبریں آتیں، تبصرے ہوتے، راز ہائے دردن پردہ پر محاکمہ، خلوتیان راز کی چہرہ کشائی غرض لیاقت علی خاں سے لیکر خلیفہ امام دین بقا تک سب پر حاشیہ

Marfat.com

آرائی کی جاتی۔ انہیں دنوں معلوم ہوا کہ نظامی صاحب انسانی اوصاف کا مجموعہ ہونے کے باوجود اپنے ذاتی اور سیاسی، دونوں نسل کے دشمنوں کو معاف کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ وہ ان کے متعلق نہ صرف ہر لحظہ چوکنا رہتے بلکہ جو کچھ ان لوگوں سے متعلق معلوم ہوتا اسے مزے لے لے کر بیان کرتے۔ انہیں بارہ مسالہ کی چاٹ اور سیاسی گفتگو میں مرچ مسالہ ڈالنے کا بے حد شوق تھا۔ اس کے بغیر ان کی گفتگو ادھوری رہ جاتی۔ وہ اس میں خود ہی لطف محسوس نہ کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی بامزہ کرتے۔ جتنے نوائے وقت میں سنجیدہ لئے دیئے، وضعدار اور الفاظ کے چناؤ میں سخت تھے اتنا ہی دوستوں کی محفل میں ہنس مکھ، بے تکلف، باغ و بہار اور الفاظ کی پتنگیں اڑا کر کاٹنے کے شوقین تھے۔ جلی و خفی عادت تھی کہ وہ کسی دوست کو بھی اپنے ساتھ بے تکلف نہ ہونے دیتے ان کی زبان گالی گفتار سے محترز رہتی۔ وہ عیب بیں بھی کچھ ایسے نہ تھے۔ لوگ ان کے کان میں باتیں ڈال جاتے وہ ان سے لطیفے اٹھا لیتے تھے۔ سب دوستوں سے ایک خاص دائرہ میں رہ کر ملتے۔ کبھی وضعداری سے ہاتھ نہ اٹھاتے۔ ان کے باہمی خطاب کرنے کا طریقہ انتہائی شریفانہ تھا۔ وہ کسی دوست کی ہتک نہ کرتے اور نہ بعض آوارہ منش دوستوں کی طرح کسی کا مذاق اڑا کر اپنی تفریح طبع کا سامان بہم پہنچاتے تھے۔ اعلیٰ مذاق کے حدود میں رہتے اور ایک اعلیٰ درجہ کا مزاح پیدا کر کے دوستوں میں خوش رہتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ انسان سفر میں کھل جاتا ہے جو کچھ اس کے اندر ہوتا ہے وہ مصیبت اور ہمسفری میں بے نقاب ہو جاتا ہے۔ نظامی، خوشی ہو یا غمی، رنج ہو یا راحت، سفر

Marfat.com

ہو یا حضر، مصیبت ہو یا عشرت جہاں بھی ہو ایک سی طبیعت رکھتے تھے۔ انہیں شدید غصہ بھی آتا تھا اور اس وقت وہ کانپنے لگتے تھے۔ لیکن جب معمول پر ہوتے تو کبھی آپے سے باہر نہ ہوتے۔ ان میں بہ قول اقبالؔ عرب کا سوز دروں اور عجم کا سا حسن طبیعت تھا۔ بہ قول غالبؔ وہ دل گداختہ لے کر پیدا ہوئے تھے لیکن دشمنوں کے لئے نیزے کی انی تھے۔ قدرت نے انہیں اس شمشیر کی طرح رکھا تھا جو حریفوں کے سر کاٹتی اور دوستوں کی محافظ ہوتی ہے۔ وہ سبک سر ہو کر کسی سے بھی اس کی سبکسری کا مطلب پوچھنے والے نہیں تھے بلکہ در کعبہ بند ہو تو اُلٹے پھر آتے تھے۔ وہ اپنوں کے لئے بوئے گل، پرایوں کے لئے نالۂ دل اور عمر کے آخری دنوں میں دردِ چراغِ محفل تھے۔ انہوں نے منصور کے آوازہ کہن کو ولولہ تازہ دیا۔ دراصل وہ ان حدی خوانوں میں سے تھے جن کا طرۂ امتیاز تھا۔

بیا ورید گرایں جا بود زبان دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

ایک روز انہوں نے مجھے فون کیا کہ پی این ای سی کا سالانہ اجلاس اپریل ۱۹۵۰ء کو کراچی میں ہو رہا ہے وہاں چلنا ہے اپنی نشست ریزرو کرالو اور اگر کسی معتمد اخبار نویس دوست کو بھی ساتھ لے جا سکتے ہو تو لے چلو۔

خیریت ہے، میں نے کہا۔

خیریت تو ہے لیکن خواجہ صاحب نے لاہور میں فلاں فلاں آدمی کو بھیجا ہے وہ ''ایڈیٹر بھرتی'' کر کے لے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا قابل اعتماد دوستوں میں صرف

Marfat.com

سید عطاء اللہ ہاشمی 'اداکار' کے ایڈیٹر ہیں لیکن ''اداکار' سیاسی نہیں فلمی پرچہ ہے۔ کہنے لگے پروا نہیں ساتھ لے لو۔ سنا یہی ہے کہ دوستوں کے دوست اور دبنگ آدمی ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب کو تیار کیا گیا۔ لاہور سے ہم تینوں کے علاوہ مولانا اختر علی خاں، مسٹر امین الدین صحرائی وغیرہ بھی روانہ ہوئے۔ مولانا اختر علی خاں اور حمید نظامی فرسٹ کلاس میں تھے ہم سیکنڈ میں۔ نظامی صاحب دوستوں سے الگ سفر نہیں کرتے تھے۔ اصولاً انہیں ہمارے ساتھ ہی سفر کرنا چاہئے تھا لیکن اختر علی خاں کو رام کرنے کے لئے ان کے کمپارٹمنٹ میں سیٹ ریزرو کرائی تھی۔ رائے ونڈ پہنچ کر ہم بھی ان کے ڈبے میں چلے گئے۔ مولانا اختر علی خاں اپنے برتھ پر دراز چہچہا رہے تھے۔ زیر بحث مسئلہ یہ تھا کہ اس وقت اگر ہم نے سیفٹی ایکٹ قبول کر لیا۔ خواجہ صاحب کے ہاتھ میں کھیل گئے اور خود سپردگی کا انداز اختیار کیا تو اس کا بدیہی نتیجہ صحافت کیلئے مہلک ہوگا۔ مولانا اختر علی خاں سر ہلا ہلا کر زوردار لفظوں میں تائید کر رہے تھے۔ امین الدین صحرائی بھی ہمنوا تھے۔ نظامی صاحب کو ان دونوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ ہم اس تذبذب سے قطعی طور پر آگاہ نہ تھے نظامی کا بیان تھا کہ خواجہ شہاب الدین کی طرف سے پیر علی محمد راشدی لاہور آ کر مولانا اختر علی خاں کو ہموار کر گئے ہیں اور مولانا طبعاً ہوا کے رخ پر چلنے والے انسان ہیں۔ بہر حال ہم لوگ ہنستے کھیلتے اور وعدے وعید کرتے کراچی پہنچ گئے۔ کراچی پہنچ کر بیچ لگژری ہوٹل میں قیام کیا۔ صحرائی تو کہیں اور چلے گئے۔ لیکن مزید جگہ نہ ہونے کے باعث ایک بڑے کمرے میں ہم چاروں نے قیام کیا۔ مولانا اختر علی خاں تو کمرے کی اصل چارپائی پر دراز ہو گئے۔ دوسری پر نظامی صاحب نے میرا بستر

Marfat.com

لگوادیا۔ تیسری چارپائی پائنتی کے رخ پر بچھوادی گئی۔ وہ سید عطاء اللہ ہاشمی کے حصہ میں آئی۔ چوتھی چارپائی کے لئے گنجائش ہی نہ تھی۔ نظامی صاحب نے کہا میں فرش پر بستر لگالیتا ہوں۔ میں نے اور شاہ جی نے بہت زور دیا کہ آپ ہماری دو چارپائیوں میں سے ایک چارپائی لے لیں۔ لیکن کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ ٹھہرنا ضروری ہے تین روز کی بات ہے ہر روز ایک ساتھی فرش پر سولیا کرے ہم تینوں باری باری فرش پر سوئیں گے۔ پہلے دن نظامی صاحب ہی نے فرش پر سونے کا فیصلہ کیا۔ اور کسی قیمت پر بھی اپنے اس فیصلہ کو منسوخ نہ کیا۔ خیر ہوٹل سے نہا دھو کر ہم لوگ نیچے ڈائننگ روم میں چائے پینے کے لئے آئے تو مولانا اختر علی خاں خواجہ شہاب الدین کو فون کر رہے تھے۔ نظامی صاحب تاڑ گئے۔ اختر علی خاں جلدی سے چائے پی کر جانے لگے تو نظامی صاحب نے کہا:

مولانا! کہاں جارہے ہیں آپ؟

سیکرٹریٹ تک،

کس سے ملنا ہے؟

بھئی خواجہ صاحب کا فون آیا ہے۔ اُن سے مل آؤں۔

نظامی صاحب نے کہا۔ ٹھہریئے۔ ہم بھی چلتے ہیں۔ آپ خواجہ صاحب سے مل لیجئے گا۔ ہم نیچے انتظار کریں گے وہاں سے قائداعظمؒ کا مقبرہ دیکھنے چلیں گے۔ ناخوشی سے مان گئے۔

ہم کوئی ڈیڑھ گھنٹہ سیکرٹریٹ کی سڑک پر گھومتے رہے۔ مولانا اختر علی خاں خواجہ صاحب

Marfat.com

سے ایسے ننھی ہوئے یا خواجہ صاحب ان سے اس طرح چپکے رہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو نہیں چھوڑتا تھا۔ نظامی صاحب ٹہلتے ٹہلتے، لطیفے چھوڑتے رہے کہ اس وقت یہ ہو رہا ہوگا۔ خواجہ صاحب یہ فرما رہے ہوں گے اور مولانا اس طرح ہامی بھر رہے ہوں گے۔ نظامی صاحب سے نہ رہا گیا۔ اُنہوں نے خواجہ صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری سے کہا کہ اختر علی خاں سے کہو، ہم لوگ ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ جواب ملا کہ مولانا فرماتے ہیں آپ لوگ چلے جائیں۔ میں خود ہی آجاؤں گا۔ حمید نظامی نے کہہ بھیجا..... جی نہیں، آپ جب تک ٹھہریں ہم آپ کے انتظار میں ہیں۔ پرائیویٹ سیکرٹری..... کہنے لگا۔ مولانا اس وقت خوش گپی فرما رہے ہیں۔ نظامی صاحب نے کہا۔ جی نہیں خواجہ صاحب انہیں شیشے میں اُتار رہے ہیں اور ہم یہ شیشہ توڑ دینا چاہتے ہیں۔

آخر کار مولانا نازاں یہ قائمہ بناتے ہوئے واپس آگئے۔ نظامی نے پوچھا:

اتنی دیر؟

کہنے لگے۔ آپ جانتے ہیں خواجہ صاحب لمبی بات کرتے ہیں۔

نظامی صاحب نے کہا۔ کیا بات ہوئی؟

کوئی خاص بات تو نہیں۔ والد صاحب قبلہ کا پوچھتے رہے۔ صحت کیسی ہے وغیرہ۔

حمید نظامی نے کہا۔ وغیرہ وغیرہ میں کیا تھا؟

بس یہی کانفرنس کا ذکر کرتے رہے کہ ہم لوگ کسی اخبار پر سیفٹی ایکٹ نہیں لگانا چاہتے۔ بعض نافہم قسم کے صحافی اخبار نکال کر بلیک میلنگ کرتے ہیں۔ ان کے مقدمات کو

Marfat.com

آپ ہی لوگوں پر مشتمل کمیٹی کے روبرو پیش کر کے ایکشن لیا جائے گا۔

نظامی صاحب کو اختر علی خاں کے قول وقرار بلکہ مزاج وطبیعت پر بالکل اعتبار نہ تھا وہ انہیں سماجی انسان سمجھتے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے۔ اختر علی خاں ٹرخا رہے ہیں۔ خواجہ صاحب نے انہیں ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اجلاس گیارہ بجے شروع ہو رہا ہے۔ وہاں کھل جائے گا کہ اختر علی خاں کدھر جاتے ہیں۔ نظامی نے مولانا کو کر دینے کے بجائے بات آئی گئی کر دی۔ کہنے لگے آیئے قائد اعظمؒ کی قبر پر چلتے ہیں۔ وہاں پہنچے، فاتحہ پڑھی۔ نظامی نے تجویز کیا کہ آیئے آپس میں ان کے مزار پر حلف لے لیں کہ ہم سیفٹی ایکٹ کے معاملہ میں اکٹھے رہیں گے۔ اور حکومت کا آلہ کار نہ بنیں گے۔ اس وقت وہاں ایک دوسرے ضلع کے دو تین صحافی اور بھی آ گئے تھے۔ ان میں سے ایک کا کرایہ بھی حمید نظامی نے ادا کیا تھا۔ میرے سوا ان سب دوستوں نے اختر علی خاں سمیت قائد اعظمؒ کے مزار پر اللہ و رسول کو گواہ بنا کر حلف اُٹھایا۔ مجھ سے کہا گیا۔ تم حلف میں کیوں شریک نہیں ہوتے۔ میں نے کہا۔ حلف میں شریک ہونے کا سوال نہیں۔ میری زبان ہی حلف ہے میرا عہد ہی قسم ہے۔ میں حنفی العقیدہ مسلمان ہوں قبروں پر حلف نہیں اٹھایا کرتا۔ میرے نزدیک یہ بدعت ہے۔

اجلاس شروع ہوا تو کارپوریشن ہال صحیح اور غیر صحیح اخبار نویسوں سے بھرا پڑا تھا۔ ہم حیران تھے کہ اتنے اخبار نویس کہاں سے آ گئے؟ انہیں ٹکٹ کیسے جاری ہو گئے۔ لاہور ہی کے نام پر اتنے مندوب جمع تھے کہ خدا کی پناہ۔ لائلپور سے ایک صاحب اور تشریف لائے تھے جو مجلس احرار میں رضا کاروں کے نائب سالار تھے اور اخبار نویسی کی ابجد سے بھی

Marfat.com

ناواقف۔ بعض رکشا چلانے والے ایڈیٹر بن کر بیٹھے تھے۔ دو چار سی آئی ڈی کے اہلکار بھی مدیروں میں فروکش تھے۔ جہاں تک ان کا تعلق تھا۔ بہر حال وہ وقائع نگاری ہی کیلئے آئے تھے۔ الطاف حسین کی صدارت میں اجلاس شروع ہوا۔ ایک طرف پیر علی محمد راشدی لاؤ لشکر لئے بیٹھے تھے۔ دوسری طرف نظامی صاحب، ان کے ساتھ فیض، فیض کے ساتھ میں اور سید عطاء اللہ ہاشمی، پہلو کی نشست پر مولانا اختر علی خاں، ان کے ساتھ امین الدین صحرائی اور ان کا ایک کھلونا جس سے میر تقی میر اپنی بیماری کے دنوں میں دوا لیا کرتے تھے۔

نظامی صاحب نے گزشتہ اجلاس کی روداد پڑھی اور اس مطلب کی قرارداد پیش کی کہ سیفٹی ایکٹ کا اخباروں پر استعمال غلط ہوگا۔ لہٰذا یہ اجلاس حکومت کے اس فیصلہ کی تائید نہیں کرتا۔ میں نے تائید کی فیض احمد فیض نے تائید مزید۔ اس کے بعد قرارداد کی مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جس کو دیکھو حکومت کا ہمنوا ہے بھانت بھانت کے لوگ قرارداد کی مخالفت میں چہچہا رہے تھے۔ اگر ان لوگوں کو اخبار نویسوں کی صف میں شریک نہ کیا جاتا تو لازماً جیب تراش ہوتے۔ ان جیب کتروں نے سارا بال سر پر اُٹھالیا۔

نظامی صاحب انتشار پسند ہیں۔

شورش کاشمیری پاکستان کی تحریک میں نہیں تھے۔

فیض احمد فیض کمیونسٹ ہیں۔

سید عطاء اللہ شاہ ہاشمی آئے نہیں لائے گئے ہیں۔

نظامی صاحب بڑے تحمل سے یہ سارا ویا کھیان سنتے رہے۔ اُنہوں نے مولانا

Marfat.com

اختر علی خاں سے کہا کہ وہ اس تو تکار کو سمیٹیں۔ لائلپور کا ایک ایڈیٹر نظامی صاحب سے کرایہ لے کر آیا تھا۔ وہ بھی حکومت کے پلڑے میں چلا گیا۔ مولانا نے اٹھ کر پہلے تو خطبہ مسنونہ پڑھا۔ پھر اناپ شناپ بولتے رہے۔ آخر میں حکومت کے ہو گئے۔ اُلٹا ہم سے اپیل کرنے لگے کہ صورت حال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے ہم بھی حکومت کا ساتھ دیں۔

الہ العالمین یہ کیا؟ قائداعظمؒ کی قبر پر آدھ گھنٹہ پہلے کا حلف گلدستہ طاق نسیاں ہو گیا تھا۔ لاہور سے کراچی تک کا سفر اکارت گیا۔ بیچ لگژری ہوٹل کے وعدے مر گئے۔ مولانا اختر علی خاں فرزند دل بند مولانا ظفر علی خاں

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

نظامی صاحب کو مولانا کی اس منافقت کا پہلے سے یقین تھا۔ انہیں سخت غصہ آیا لیکن ہمیشہ کی طرح پی گئے۔ انہوں نے قرارداد کے حق میں وضاحتی تقریر کرتے ہوئے دلائل کا ایک انبار لگا دیا۔ میں نے اس سے پہلے ان کی ایسی نپی تلی، صاف ستھری، لگی بندھی اور چاروں چول چوکس تقریر کبھی نہ سنی تھی۔ لیکن جن لوگوں کو وہ مخاطب کر رہے تھے ان میں ایک شخص بھی مخاطبت کے قابل نہ تھا۔ معلوم ہوتا تھا وہ چھوٹے خواجہ کی چوکھٹ کے بھکاریوں سے ہمکلام ہیں جو پتھروں کی طرح بے حس و حرکت پڑے ہیں۔ آخر فیض نے ایک مختصر لیکن جامع تقریر کی۔ جس کا مقطع یہ تھا کہ ہم لوگ تو اپنے گریبانوں کی حفاظت خود بھی کر سکتے ہیں۔ یہ جو کچھ ہم کہہ رہے آپ کے لئے کہہ رہے ہیں۔ آپ افتاد پڑنے پر اپنے گریبانوں کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ لیکن کسی پر کیا اثر ہوتا؟ ان لوگوں نے اپنے قلم رہن

Marfat.com

رکھنے کا سودا کرلیا تھا۔ اور تل گئے تھے کہ اخبار بھاڑ میں جائیں انہیں تو وہی کرنا ہے جو خواجہ صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ، فرما چکے ہیں۔ چنانچہ جب ووٹنگ ہوئی تو ہم صرف چار ووٹ ایک طرف تھے۔ باقی سب حکومت کے ساتھ۔ ان ایڈیٹروں میں نمایاں ایڈیٹر بھی تھے رَشا ڈرائیور بھی۔ پان فروش بھی۔ خود فروش بھی اور مغبچے بھی۔ جنہیں تیسرے درجہ کے اخبار نویس ذائقہ بدلنے اور باضمہ درست رکھنے کے لئے ساتھ لے آئے تھے۔

کانفرنس ہماری ہار کے بعد ختم ہوگئی۔ نظامی صاحب کو اختر علی خاں کی ماہیت قلب پر سخت افسوس تھا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اور اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ فیضؔ نے اور میں نے بعض خرافتی مصرعے جوڑ کر مولانا کا قصیدہ لکھا۔ جس میں دوسرے خود کاشتہ ایڈیٹروں کی بھی تعریف وثنا کی گئی تھی۔ ان اشعار کو گنگناتے ہوئے ہم بیچ لگژری پہنچے۔ تو مولانا اختر علی خاں پہلے ہی سے کمرے میں دراز تھے۔ ہمیں دیکھ کر اونگھنے لگے گویا خواب میں ہیں۔ میں نے مذکورہ اشعار کو بلند آواز میں الاپنا شروع کیا۔ اختر علی خاں نے جب بار بار ایک ہی تبرّیٰ سنا تو فرمایا:

''جی ہاں میں سمجھتا ہوں۔ یہ سب طبع آزمائی مجھ پر ہو رہی ہے''۔

''توبہ توبہ'' نظامی نے خندہ زیر لبی سے کہا۔

''جی نہیں آپ مجھے بدھو سمجھ رہے ہیں'' مولانا نے فرمایا۔

نظامی مایوس ہونے والے نہیں تھے۔ انہوں نے مولانا پر ایک اور داؤ چلایا۔

'آیئے ملک تاج الدین ایسوسی اٹیڈ پریس کے ہاں چلتے ہیں۔ وہ تیار ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر

Marfat.com

یہی ذکر چھڑ گیا۔ ملک صاحب نے بھی مولانا کو سمجھایا۔ ہم بھی پیچھے پڑ گئے زمیندار بہت بڑا اخبار ہے۔ آپ کی عظیم روایات ہیں، مولانا ظفر علی خاں برگزیدہ راہنما ہیں ان کی تمام عمر اس قسم کے احتسابی قوانین کو چیلنج کرتے گزری ہے۔ لاہور چل کر ان سے قطعی فیصلہ کرالیں گے۔ فی الحال آپ ان کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں اور بیان جاری کریں کہ آپ اس معاملہ میں حکومت کے ساتھ نہیں ہیں۔ مولانا پھر مان گئے۔ واپس لوٹے تو جاتے ہی ہوٹل سے غائب ہو گئے۔ معلوم ہوا نیچے فون کر رہے ہیں۔ کسے کر رہے ہیں۔ کہنے لگے ایک دوست کو بلوایا ہے۔ اوپر خواجہ صاحب کو اطلاع ہو چکی تھی۔ اُنہوں نے کراچی کے دو ہتھ چھٹ اخبار نویسوں اور امین الدین صحرائی کو بھیجا کہ مولانا کو لے آئیں۔ وہ فوراً ہی پہنچ گئے۔ اب وہ مولانا کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ ہم جانے نہیں دیتے ہیں۔ مولانا اچکن پہن کر تیار کھڑے ہیں۔ کھینچا تانی ہو گئی۔ صحرائی مولانا کو کھینچتا ہے چلئے قبلہ! ہم اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ رک جایئے قبلہ! نتیجتاً صحرائی اور نظامی صاحب میں جھڑپ ہو گئی۔ صحرائی چٹا ان پڑھ ہونے کے علاوہ الم غلم طبیعت کا گھبرو جوان تھا۔ اس نے نظامی صاحب کے گریبان پر ہاتھ ڈالا۔ ہمارے لئے نا قابل برداشت تھا۔ عطاء اللہ ہاشمی نے ہاتھ مروڑ کر جھنجوڑا، وہ اول فول بکنے لگا۔ میں نے زناٹے کا تھپڑ رسید کیا۔ دھینگا مشتی ہو گئی۔ ہم نے صحرائی کو خوب مارا۔ لیکن جب پٹائی کر چکے اور پلٹ کر دیکھا تو پتہ چلا کے دونوں بھیا اختر علی خاں کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اور اختر علی خاں جا چکے ہیں۔ لنچ تک خبر آ گئی کہ مولانا اختر علی خاں پی این ای سی کے سینئر نائب صدر ہو گئے ہیں۔ علی محمد راشدی صدر، اسی طرح کے دوسرے عہدیدار،

Marfat.com

مجلس عاملہ جن لوگوں سے بنی ہے ان کی اکثریت اضحوکہ روزگار ہے۔ نظامی صاحب، فیض صاحب، شاہ جی اور میں نے مشترکہ طور پر استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا کہ ہم ایک ایسی جماعت میں رہنا نہیں چاہتے جو وزارتِ اطلاعات کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ جس نے اخبارات کے لئے سیفٹی ایکٹ کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے جسکے ارکان غیر اخبار نویس ہیں۔ اور جس کی تمام کارروائی شرمناک طور پر انجام پائی ہے۔

شام کو ٹاؤن ہال میں عصرانہ تھا۔ اس میں خواجہ صاحب اور شیخ محمد اکرام سی ایس پی جو اُن دنوں وزارت اطلاعات ونشریات کے جوائنٹ سیکرٹری تھے۔ بعض دوسرے افسروں کے ساتھ شریک تھے۔ نظامی صاحب ان سب سے الگ تھلگ رہے۔ شیخ محمد اکرام نے نظامی صاحب کے پاس آکر کہا کہ خواجہ صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ خواجہ صاحب اس وقت کوئی چار گز کے فاصلہ پر ہوں گے۔ نظامی صاحب نے غصہ سے تپتے ہوئے الفاظ کو پھیلا کر اُنگلی سے سوالیہ نشان بناتے ہوئے کہا ''اس شخص کو روک دو۔ میرے ساتھ علیک سلیک بھی نہ کرے..... میں اس کو اخبارات کی آزادی کا قاتل سمجھتا ہوں اور اس سے ہرگز ہرگز ملنا نہیں چاہتا۔ شیخ اکرام صاحب اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ خواجہ صاحب سن ہو رہے اور اِدھر کی میز سے ہٹ کر اُدھر کی میز کے نکڑ پر چلے گئے۔ مجھے پہلے دفعہ معلوم ہوا کہ نظامی صاحب کس جگر گردے کے انسان ہیں۔ اور ان وزراء یا افسروں پر ان کی ہیبت کیا ہے۔ جو اخبار نویس حکومت کے ساتھ ہو گئے تھے۔ خود افسر اُن سے ملتے ہوئے سر و مہری برتتے بلکہ اختر علی خاں وغیرہ پر ہنستے تھے۔ لیکن ہر شخص نظامی کو احترام و اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔

Marfat.com

نظامی صاحب عصرانہ میں کوئی آدھ پون گھنٹہ شریک رہے۔ پھر وہاں سے ہمیں ساتھ لے کر ہوٹل میں آ گئے۔ اور شاعری کا ڈول ڈالا۔ مصرع طرح انہوں نے تجویز کیا۔ میں نے بالبداہت ان صحافیوں کا قصیدہ کہہ ڈالا۔ اختر علی خاں منہ بنائے ہوئے تشریف لائے۔ بستر بندھوایا اور علیک سلیک کئے بغیر رخصت ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ لاہور چلے گئے ہیں۔ اگلے روز ہم بھی لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔

نظامی صاحب سے میں نے کہا۔ جن لوگوں کے سامنے کوئی آئیڈیل نہ ہو وہ یہی کیا کرتے ہیں۔ یہ لوگ حکومت کو الگ کر کے سوچ ہی نہیں سکتے۔ حکومت خواہ رنجیت سنگھ کی ہو خواہ خواجہ شہاب الدین کی قدرت نے ان لوگوں کے مقدر میں کاسہ لیسی لکھی ہے۔ نظامی صاحب کو بعض لوگوں کی دریوزہ گری کا شدید احساس تھا۔ اب ان واقعات کی چہرہ کشائی نامناسب ہے۔ تاریخ بڑی بے رحم ہوتی ہے اس حمام میں کئی ''برگزیدہ چہرے'' ننگے ہوں گے۔ لاہور کے جن اخباروں نے پختہ وعدے کئے تھے۔ ان کے وعدے بھی ''ایشیائی معشوق'' کے روایتی وعدوں کی طرح ''کچا گھڑا'' ثابت ہوئے۔ قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ حکومت کے ان خوشہ چینوں کا آہستہ آہستہ نام و نشاں مٹ گیا۔

راشدی ابو مسلم خراسانی کی طرح ہوشیار آدمی تھے۔ وزیر ہو گئے۔ سفیر بن گئے قلم کو ہاتھ میں رکھا لیکن ان کا اپنا اخبار وقت کے ساتھ نذر اجل ہو گیا۔

مولانا اختر علی خاں ختم نبوت کی تحریک میں بیس سال قید ہوئے۔ گڑ گڑا کے نکلے تو ''زمیندار'' کٹے ہوئے پتنگ کی طرح تھا حتیٰ کہ اس کی ناؤ بھی ڈوب گئی۔

Marfat.com

امین الدین صحرائی جواں مرگ ہو گئے۔ دو ورق کا ''نظام جدید'' ان کا اخبار تھا اس کو بھی موت چاٹ گئی۔

''آفاق'' ہفتہ وار سے روزانہ ہوا۔ حالت اس کی یہ ہوگئی

کہ آں عجوزہ عروسِ ہزار داماد است

بالآخر ختم ہوگیا۔

روزنامہ ''احسان'' کا شعلہ کجلا گیا۔ ان کے علاوہ بعض بے قلم صحافی جو اس اجلاس میں شریک ہوئے تھے اس طرح گم ہوگئے جس طرح بن بلائے مہمان پیٹ پوجا کے بعد بارات سے غائب ہوجاتے ہیں۔

''نوائے وقت'' پر بھی دولتانہ وزارت کے زمانہ میں افتاد آئی۔ لیکن وہ قفنس کی طرح اپنی خاکستر سے زندہ ہوتا رہا اور حمید نظامی کے استقلال و پامردی کی بدولت عامتہ الناس کا ہیرو بن گیا۔ حمید نظامی اپنی انہی روایتوں کے باعث مرکر بھی زندہ ہیں۔ اور ''نوائے وقت'' آج تک آتش نمرود میں گلزار ابراہیم بنا ہوا ہے۔ فیضؔ نے مختلف عنوانوں سے طویل قیدیں کاٹیں، لیکن ہر امتحان میں سرخرو ہوکر نکلے۔ ان کا قلم رواں دواں ہی رہا۔

مقام فیضؔ کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

''پاکستان ٹائمز'' اور ''امروز'' کو مارشل لاء نے ہتھیا لیا۔ لیکن اس کا مالک ٹوٹ گیا لچکا نہیں۔

''چٹان'' کے خلاف اس وقت کے ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے دھوپ چھاؤں

Marfat.com

کے درخت کی ایک ٹہنی کے پتے کو سرسبز کرنا چاہا۔ قلمی معرکہ ہو گیا اس ہفتگی نے تعلقات عامہ سے روپیہ اور کاغذ لے کر اپنی خاندانی آبرو کے جوہر دکھائے۔ چٹان نے آڑے ہاتھوں لیا تو سیفٹی ایکٹ کے تحت فوراً ہی ایک سال کے لئے بند کر دیا گیا۔ اس اثناء میں کئی دفعہ ایڈیٹر چٹان کو پیشکش کی گئی کہ قبل از وقت پابندی ہٹائی جا سکتی ہے۔ لیکن ایڈیٹر چٹان نے رسید تک نہ دی اس کی جگہ ہفتہ وار ''عادل'' نکلتا رہا۔ نتیجہ معلوم ہی تھا کہ

وزارتیں تو کھلونا ہیں ٹوٹ جائیں گی

چٹان آئے گا اور بالضرور آئے گا

چٹان سال بھر کی بندش کے بعد دوبارہ جاری ہو گیا۔ دولتانہ وزارت ختم نبوت کی تحریک میں اپنے گناہوں کی چتا ہو کر بھسم ہو گئی۔

.....☆.....☆.....☆.....

Marfat.com

۱۹۵۰ء کی ابتدائی سہ ماہی میں نظامی سے میرے تعلقات کی سطح بلند اور عمیق ہو گئی۔ ان پر روز بروز کھلتا رہا کہ جس شخص کے ساتھ انہوں نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے وہ ان کے پرانے قلمکار دوستوں کی بہ نسبت راسخ العقیدہ اور صادق العہد ہے۔ مجھ پر بھی ان کی خوبیاں کھلنے لگیں۔ محسوس ہوا کہ ان کی دوستی فخر و ناز کا سرمایہ اور ان کی دشمنی انتہائی خطرناک ہے۔

انہیں عصر کے وقت ریستورانوں اور ہوٹلوں میں محفل لگانے کا بہت شوق تھا۔ مغرب کی نماز کے وقت اٹھ جاتے۔ کچھ دوست اپنے موٹروں میں گھروں کو چلے جاتے۔ بعض دوست انکے یا اپنے موٹر میں اکٹھے سوار ہو کر چھاؤنی تک سیر و تفریح کرتے۔ یہ گویا روزمرہ کا معمول تھا۔ جن دوستوں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان میں ابو صالح اصلاحی کوہستان میں شامل ہونے تک شریک رہے۔ جن سے انہیں تعلق خاطر تھا ان میں ایک ڈاکٹر شبیر حسن تھے دوسرے ڈاکٹر مبشر حسن۔ یہ دونوں سگے بھائی ہیں۔ اوّل الذکر ڈاکٹر اور ہیلتھ سروس میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھے۔ آجکل یو این او کی طرف سے اسکندریہ میں ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے بڑے افسر ہیں۔ ڈاکٹر مبشر حسن، انجینئر ہیں۔ پہلے انجینئرنگ کالج میں پروفیسر تھے۔

Marfat.com

پھر انجینئرنگ یونیورسٹی میں عہدیدار ہو گئے۔ لیکن پہلے ہی وائس چانسلر سے ان کی کٹا چھنی ہوگئی استعفیٰ دے کر الگ ہو گئے۔ آجکل سول انجینئرنگ کا ادارہ قائم کر رکھا ہے۔ یہ دونوں بھائی نظامی مرحوم کے زمانہ طالب علمی سے دوست تھے۔ ان کا تعلق خواجہ الطاف حسین حالی کے خاندان سے ہے۔ خواجہ غلام السیدین بھی ان کے عزیز ہیں اور بہت سے اقربا حکومت میں مختلف عہدوں پر مامور ہیں۔ ان دونوں بھائیوں میں شرافت، اخلاق، سیر چشمی، دوست داری اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ انہیں ملنے جلنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاندانی لوگ کیا ہوتے ہیں اور خون کی نجابت انسان کے افکار و اذہان پر کس طرح اثر ڈالتی ہے۔ نظامی مرحوم نے انہیں اپنے گھر کا فرد بنا رکھا تھا۔ اور یہ بھی گھر ہی کے ایک فرد کی طرح محبت اور احترام کرتے تھے۔

احباب کا یہ گروہ تھا جو نظامی گروپ سے منسوب ہوتا۔ شام کو ہوٹل میں جو بل بنتا اس کی ادائیگی کبھی کبھی نظامی اور اکثر و بیشتر میاں محمد امین کرتے۔ لیکن آخر میں میاں محمد امین نے یہ خرزبہ اصرار اپنے ذمے لے لیا تھا۔ کیونکہ وہ تمام احباب میں کروڑ پتی اور ملک کے چند گنے چنے صنعت کاروں میں سے تھے۔ ان دوستوں کے علاوہ اور دوست بھی ملنے کے لئے چلے آتے مثلاً نواب ممدوٹ، میاں امیر الدین اور میاں عبدالباری، لیکن ان کا پھیرا مسافرانہ ہوتا۔ نیشنل اسمبلی کے موجودہ سینئر ڈپٹی اسپیکر چودھری فضل الٰہی اور میاں عبدالرب ڈپٹی سیکرٹری مالیات بھی باقاعدگی سے شامل ہوتے لیکن ان کے ناغے بھی طویل ہو جاتے۔ افسروں میں مسٹر این ایم خاں اور مسٹر اے ڈی اظہر ان کے دوست تھے۔ حکمرانوں میں

Marfat.com

میاں مشتاق احمد گرمانی کیساتھ ان کا برادرانہ تعلق تھا۔ چودھری محمد علی کے ساتھ بھی ان کا دوستانہ علاقہ تھا۔ اور دونوں میں گاڑھی چھنتی تھی۔ بعض افسر اور وزراء بھی ان سے میل ملاپ رکھنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ لیکن زیادہ ان سے خوف زدہ رہتے۔ ان کے قلم نے حکومتی ایوان و انصار کو لرزا رکھا تھا۔ احباب کا یہ حلقہ ہر لحاظ سے ایک چنیدہ حلقہ تھا۔ میرا خیال ہے اس زمانہ میں کسی عیب یا غرض کے بغیر ان دوستوں کا یہ گروہ اخلاص و مہر کا ایک معجزہ تھا۔ اور ہاں نظامی مرحوم کے ان دوستوں میں خواجہ عبدالرحیم اور راجہ حسن اختر بھی شامل تھے۔ لیکن ان کی آمد و رفت روزانہ نہ تھی۔ جی چاہا تو ہفتہ عشرہ آتے رہے نہ چاہا تو مہینوں غائب ہو گئے۔

اس حلقہ میں ہوتا کیا، ثقہ اور غیر ثقہ افواہوں کی چھان پھٹک، سیاسی واقعات کی کھتونی، حزب اقتدار کے تضادات سے آشنائی، حزب اختلاف کی بوقلمونیوں کا ماتم یا پھر بذلہ سنجی۔ نظامی صاحب اس اشہب کے شہسوار تھے۔ شیخ خورشید احمد سے خدا کی پناہ۔ وہ فقرہ بازی میں ید طولیٰ رکھتے۔ زبان ان کی کترنی کی طرح چلتی۔ انگریزی اس طرح بولتے جس طرح آبشار بہتا ہے۔ بھپتی کسنے سے بھی نہ چوکتے..... میرے اور ان کے درمیان چوٹوں پر چوٹیں چلتیں۔ کبھی وہ چاروں شانے چت کر جاتے کبھی میں انہیں اڑنگے پر لا کر پٹخنی دیتا۔ مگر خورشید احمد کی ذہانت و طباعی اور قابلیت و سلاست میں بلا کا حسن تھا۔ ابو صالح اصلاحی بھی چٹکلے چھوڑتے لیکن ان کی مشرقی طبیعت ان مغربی مجسموں کے لئے طرحدار تھی۔ عطاء اللہ سجاد ادبیاب پر گفتگو کرتے، نسیم حسن شاہ قانون کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ

Marfat.com

فرماتے یا پھر فرانسیسی مزاح پیدا کرتے۔ میاں محمد امین بزنس کی باتیں کرتے یا پالیٹکس پر بولتے چالتے۔ لیکن ان کی باتوں میں بھی ترازو کے پلڑوں کا زن ہوتا۔ مجال ہے تولہ ماشہ کا فرق ہو۔ بدیع الزماں آمر طبیعت کے باغ و بہار انسان تھے۔ ان کا کام شیخ خورشید احمد کی طرح تسلسل سے سگریٹ پینا اور قہقہے اڑانا تھا۔ ڈاکٹر جمال بھٹہ لئے دئیے رہتے۔ راجہ حسن اختر کا نام دوستوں نے مرد قلندر رکھ دیا تھا۔ وہ کسی بات پر قطعی رائے قائم کرتے ہوئے جھینپتے تھے۔ لیکن جہاں تک اقبال اور اسلام سے ان کے عشق کا تعلق تھا وہ کسی فرد یا طاقت سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر مبشر حسن طنز کرنے میں رکتے نہیں تھے۔ لیکن لہجہ شریفانہ پایا تھا۔ ڈاکٹر مبشر حسن بذلہ آرائی سے چپ چاپ محظوظ ہوتے اور گفتگو کی عریانی پر ٹوک دیتے تھے۔ اصغر بھٹی مصرع طرح اُٹھاتے اور داد و بیداد کے پھول یا زخم چنتے تھے۔ شیخ حامد محمود ''نوائے وقت'' کے شروع میں نظامی کے ساتھ حصہ دار کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ دنوں کی دوستی بھی ضرب المثل تھی۔ عام اخبار نویس انہیں مہر و سالک کہتے، دیوان سنگھ مفتون نے رام لچھمن کی جوڑی سے مشابہت دی تھی۔ جہاں تک دفتر کے نظم و نسق کا تعلق ہے۔ نظامی صاحب نے سارا کام ان کے سپرد کر رکھا تھا اور وہ برابر کے ڈائریکٹر تھے۔ نظامی شاذ و نادر ہی دفتر جاتے۔ گھر ہی سے اداریہ وغیرہ لکھ کر بھیج دیتے۔ ہدایات بھی گھر سے جاتیں یا کوئی ضروری بات ہوتی تو فون سے کہہ دیتے۔ نظامی کو حامد پر جی جان سے بھروسہ تھا۔ پھر جانے کیا پیچ پڑا کہ دونوں میں کٹی ہو گئی۔ اور اس طرح ایک طویل پر خلوص بے داغ دوستی رنجدہ حالات میں ختم ہو گئی۔ نظامی صاحب کے اعصاب کا یہ حال تھا کہ وہ اس مفارقت کو

Marfat.com

محسوس کرتے ان کی طبیعت میں غصہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن جب تک تکدر رہا اور یہ تکدر کوئی چار ماہ رہا۔ نظامی صاحب نے کسی دوست کو مطلع نہ کیا اور نہ کسی کو کانوں کان خبر ہوئی کہ دونوں میں کشیدگی ہے۔ آخر ایک روز حامد محمود مجھے دفتر سے اٹھا کر راوی کے کنارے لے گئے اور وہاں باہمی کشیدگی کا پس منظر بیان کیا۔ میں نے سنا تو مجھے بہت افسوس ہوا۔ نظامی صاحب نے جب خود ہی ذکر نہ کیا..... اور نہ کسی دوست کے علم میں تھا کہ فلاں چیز ہو رہی ہے تو ان سے کچھ کہنا مشکل تھا۔ بہر حال میں نے بات کی۔ نظامی صاحب نے رنجش کا اعتراف کیا لیکن بات اس فقرے پر ختم کر دی کہ اس قسم کے زخم وقت کے ساتھ بھر جایا کرتے ہیں۔ حامد سے کہو کام کرتا رہے۔ ایک دن دلوں کا غبار دھل جائیگا۔ لیکن اچانک معلوم ہوا کہ دونوں میں جدائی ہو گئی ہے۔ حامد نے ''نوائے وقت'' پرنٹرز سنبھال لیا۔ حمید نظامی کے حصہ میں ''نوائے وقت'' آ گیا۔ ایک دوست نے مجھ سے پوچھا، ان دونوں میں اختلاف کیوں ہو گیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ ایک کی خودی اتنی بالا ہو گئی ہے کہ خدا بن گئی ہے اور دوسرے کی خودی نے اب آنکھیں کھولی ہیں۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

نظامی صاحب کی ریستوران پسندی کے سلسلے میں بعض باتیں خاصی دلچسپ ہوتی تھیں۔ مثلاً ہمیشہ اُونچے اور نامور ہوٹل کے کونے میں بیٹھتے۔ ان کی کرسیاں اور میز مخصوص ہوتے۔ گفتگو دوستانہ نوعیت کی ہوتی کبھی نوائے وقت کے اداریوں پر بات چیت نہ کرتے۔ نہ کسی کو پوچھنے کا حوصلہ تھا۔ کہ کل کیا آرہا ہے نہ خود کسی کو بتاتے کہ کیا لکھ کر آئے ہیں۔ خود ہی اس بارے میں کچھ کہہ دیا تو بہتر، ورنہ ما بخیر و شما سلامت۔

اکبر الہ آبادی کا مصرع ہے ع

کٹی عمر ہوٹلوں میں، مرے ہسپتال جا کر

تو اس کا نصف اوّل اُن پر صادق آتا تھا۔ طالب علمی کے دنوں میں عرب ہوٹل کو آماجگاہ بنائے رکھا۔ طالب علمی سے نکلے تو چینی لنچ ہوم میں کچھ دیر بیٹھتے رہے۔ وہاں سے کافی ہاؤس کو دوپہر کی گپ زنی کا اڈہ بنایا۔ لیکن وہاں زیادہ دیر ٹک نہ سکے۔ ان کا خیال تھا کافی ہاؤس میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جنہیں شرم و حیا نہیں، احساس سے معرّیٰ لوگ ہیں۔ سیاست فروشی کرتے اور تن پروری پر جیتے ہیں۔ نصف سے زیادہ سی آئی ڈی کے

Marfat.com

دست پناہ ہیں۔ بیشتر سیاستدانوں کے جاسوس ہیں اکثر محض زبان کے نخرہ باز ہیں۔ کئی ایسے ہیں جن کے قول و فعل میں احساس غیرت کا فقدان ہے۔ میں آخری دنوں میں انہیں کافی باؤس کھینچ کھانچ کے لے جاتا۔ یا وہ مجھے ڈھونڈتے ڈھانڈتے وہاں چلے آتے۔ لیکن کافی ہاؤس کے ماحول سے انہیں طبعی نفرت تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ اس شب برأت کی پھلجھڑیاں ناقص، اس کے پٹاخے خام اور اس کی مہتابیاں بے رنگ بلکہ بدرنگ ہیں۔

''نوائے وقت'' روزنامہ ہوا تو دفتر کے تلے لورینگ ہوٹل تھا جہاں آج کل پی آئی اے کا دفتر ہے۔ اسی کے ہو گئے۔ لورینگ دیوالیہ ہو گیا تو میٹرو میں مجلسیں لگانے لگے۔ مگر اس کی عمر بھی ختم ہو گئی وہاں سے اٹھ کر کسینو کو ڈیرہ بنایا۔ اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ میاں محمد امین کے دفتر کی پہلو میں گارڈینیا کھلا تو وہاں محفل آرائی شروع کی۔ بعض لوگ مذاق سے کہا کرتے تھے کہ نظامی صاحب اور ان کا گروپ جس ہوٹل میں جاتا ہے وہ کچھ دیر کے بعد غفرلہ ہو جاتا ہے لیکن گارڈینیا کے بعد وہ کسی ہوٹل میں نہیں گئے۔ ایک روز شام کو حسب معمول وہاں سے نکلے۔ صبح کو دل کا دورہ پڑا۔ تیسرے روز خلد آباد کے ہوٹل میں چلے گئے۔ جہاں ان کے کسی دوست کا جانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک فرشتہ اجل بلاوا لے کر نہیں آتے ہیں۔ لاہور سے باہر جس شہر میں جاتے بڑے سے بڑے ہوٹل میں ٹھہرتے۔ ان کا اُصول تھا پہنو اچھا، کھاؤ سادہ، ٹھہرو باوقار ہوٹل میں یا کسی ایسے دوست کے ہاں جو بہ لحاظ سے معزز ہو۔ جب واپس آؤ تو ملازم یا بیرہ کو زیادہ سے زیادہ ٹپ دو تا کہ اُس کے دل میں تمہارے لئے احترام پیدا ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ چھوٹے ہوٹلوں کا رخ نہیں

Marfat.com

کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کھانے پینے کے لئے وہ ہمیشہ دوسرے درجے کے ہوٹلوں کا چناؤ کرتے تھے۔ جیسا کہ شروع ہی میں لکھا ہے۔ وہ کباب کھانے کے لئے چونا منڈی کے خلیفہ کی ہٹی پر چلے جاتے اور قبر نما چبوترہ پر بیٹھ کر کباب کھاتے، کانجی پیتے اور خوش ہوتے تھے۔ کبھی کبھار دفتر چٹان میں آجاتے، محمد حسین سے کہتے کہ قلعہ گجر سنگھ کے چوک سے مرغ چھولے لے آؤ۔ وہ دوڑ کر چھولے لے آتا۔ اور نان کے ساتھ خوب مزے سے کھاتے۔ ہریسہ کھانے کا بھی انہیں بہت شوق تھا۔ شیخ عنایت اللہ بٹ سے عموماً ہریسہ پکوا کر منگواتے۔ شیخ صاحب نے کھوئے کے کبابوں..... کا ایسا چسکا ڈالا کہ خلیفہ کے کباب بھول گئے۔ ہفتہ میں ایک دو بار اُن کے ہوٹل میں فون کر کے چودھری محمد شریف سے کباب منگوالیا کرتے پھل کھانے کا انہیں کچھ زیادہ شوق نہیں تھا لیکن آم غالبؔ کی طرح کھاتے تھے..... دوستوں کی دعوتوں میں بڑی خوشی سے شریک ہوتے۔ بلکہ ان کا اہتمام کراتے۔ بسا اوقات مہینہ کے مہینہ لاہور سے باہر دوستوں اور ان کی بیویوں کے ساتھ سیر کو جاتے۔ وہاں کئی کئی کھانے پکائے جاتے۔ اچھی خاصی پک نک ہو جاتی اپنے گھر پر کسی کو کھانے پر مدعو نہیں کرتے تھے۔ جس کو دعوت دیتے ہوٹل میں انتظام کرتے۔ لیکن شاذ ہی کسی خوش قسمت کو کھانے پر بلاتے تھے۔

سماع کا انہیں بہت شوق تھا۔ اور یہ شوق مارشل لاء کے زمانے میں زیادہ ہو گیا تھا۔ لیکن قوالوں کو ایک پھوٹی کوڑی نہیں دیتے تھے۔ طبیعت میں جزرسی تھی لیکن دو باتوں میں حیرت انگیز فیاضی پائی جاتی۔ اولاً مرحوم دوستوں کی اولاد کو کچھ نہ کچھ ماہانہ دیتے اور اس

Marfat.com

کی خبر کانوں کان کسی کو نہ ہوتی۔ دوسرے نادار طلباء کو بشرطیکہ ان میں ہونہاری کے آثار ہوں، فیسیں اور داخلہ التزام سے دیتے۔ ان کی بدولت بہت سے طالب علم پروان چڑھے۔ جس دن اُن کا جنازہ اُٹھا اس دن زیر تعلیم اور فارغ التحصیل طلباء کے رونے دھونے سے اندازہ ہوا کہ وہ کتنے مخیر تھے۔ وہ رسول ﷺ کی اس حدیث کے پیرو تھے کہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو علم نہ ہو۔ اکثر لوگوں کی دستگیری کرتے۔ انہیں ملازمت دلواتے ان کی سفارشیں کرتے اور اگر کسی مشکل کو جائز سمجھتے تو اس کے حل کرنے میں معاون ہوتے۔ سانگلہ ہل چونکہ اُن کا آبائی قصبہ تھا اس لئے وہاں سے جو طالب علم میٹرک، ایف اے، بی اے کر کے نکلتا اس کو ملازمت دلوانا اپنا شعار بنا رکھا تھا۔

ایک دن گجرات کا ایک طالب علم جس کا والد معماروں میں کام کرتا تھا میرے پاس آیا اور کہا کہ میں نے وظیفہ پا کر میٹرک پاس کیا اور راولپنڈی ڈویژن کے طلباء میں فرسٹ آیا ہوں۔ میری والدہ کے پاس صرف ایک روپیہ تھا وہ مجھے اس نے کرائے کے لئے دیا..... کہ لاہور جا کر قسمت آزمائی کرو۔ پڑھنے کا مجھے شوق ہے لیکن وسائل سرے سے مفقود ہیں۔ میں نے مختلف دروازوں پر دستک دی ہے لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ گجرات میں سٹوڈنٹس فیڈریشن کا سیکرٹری بھی رہا ہوں ..... میاں افتخار الدین کے ہم خیالوں کا جتھا تھا۔ اسی خیال سے میں میاں صاحب کے دولت کدہ پر گیا۔ کہ کالج میں میرے داخلہ کے متعلق شاید امداد بہم پہنچائیں۔ لیکن اوّل تو ان کے ملازموں نے کوٹھی میں گھسنے نہیں دیا۔ جب میں نے شور مچایا تو مجھ پر کتے چھوڑ دیئے۔ یہ میرے دائیں ہاتھ پر کتے نے کاٹ کھایا

Marfat.com

ہے۔ میو ہسپتال سے پٹی کروائی ہے۔ سوچ سانچ کر آپ کے پاس آیا ہوں اگر آپ میری مدد کر سکتے ہوں تو تمام عمر شکر گزار رہوں گا۔ میں نے کل صبح سے روٹی بھی نہیں کھائی ہے۔

نظامی صاحب چونکہ طلباء کی امداد میں پیش پیش رہتے تھے۔ فون پر ان سے سارا قصہ کہا۔ کہنے لگے اس کو ساتھ لے کر میرے پاس چلے آؤ۔ ان کے مکان پر پہنچا۔ طالب علم نے کاغذات دکھائے۔ تو ششدر رہ گئے کہ افلاس کے ہاتھوں کیسے کیسے نوجوان ذبح ہو جاتے ہیں۔ بہر حال انہوں نے ڈیڑھ دو سو روپے داخلہ دے کر طالب علم مذکورہ کو گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے دیا اور اس سے وعدہ کیا کہ جب تک اس کا وظیفہ نہیں ملتا وہ اس کو باقاعدہ فیس دیتے رہیں گے۔ اس کے علاوہ پچاس روپے ماہانہ جیب خرچ۔ شیخ خورشید احمد نے کتابیں لے دیں۔ سید ہادی علی شاہ نے نظامی صاحب کے ایماء پر سوٹ سلوا دیئے۔ میری ڈیوٹی یہ لگی کہ میں اس نوجوان کو اپنی کوٹھی میں ایک کمرہ دے دوں اور دو وقت کھانا۔ یہ سلسلہ کوئی ڈیڑھ سال چلتا رہا۔ ایک دن میں نے اس نوجوان کے نام کا ایک خط کھولا۔ تو گجرات کے کمیونسٹ کی طرف سے تھا۔

''پیارے دوست!

نظامی اور شورش دونوں رجعت پسند ہیں۔ ان کے خیالات کبھی قبول نہ کرنا۔ ایک صحافی ہے۔ ایک مقرر، دونوں واجب القتل ہیں۔ اپنے داؤ پر لگے رہو۔ جیسا کہ تم نے لکھا ہے پڑھ پڑھا کر اپنی راہ میں چلے آنا۔ فی الحال ان کا مال کھاؤ۔ ان لوگوں کا مال کھانا ہر لحاظ سے جائز ہے۔ یہ مال ان کا نہ سمجھو۔ تمہارا اپنا مال ہے۔ کیونکہ ہر ری ایکشنری کا مال

Marfat.com

ریولیوشنری پر حلال ہوتا ہے۔"

میں نے یہ خط اس نوجوان کو بھی پڑھوا دیا۔ اس کے طوطے اُڑ گئے۔ الٹی سیدھی تعبیریں کرنے لگا۔ لیکن میں نے مسکرا کے اس طرح ٹال دیا گویا اس خط سے میں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ شام کو حسب معمول نظامی صاحب سے ملا تو ان سے ذکر کیا وہ خط پڑھ کر چپ ہو گئے..... پھر انہوں نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ کل یہ نوجوان میرے پاس آیا تھا کہ میرے لئے شورش صاحب کے بجائے کسی اور جگہ رہنے کا انتظام کرا دو۔ میں نے پوچھا وہاں کیا تکلیف ہے؟ کہنے لگا تکلیف صرف اتنی ہے کہ ان کے ہاں ہفتہ میں دو بار دال پکتی ہے۔ دال کھانے کا میں عادی نہیں مجھے دو بار بازار سے سالن لا کے کھانا پڑتا ہے۔

نظامی صاحب نے کہا۔ تم معمار کے بیٹے ہو؟ اور وہی ہو؟ جس نے کہا تھا۔ کہ میری ماں نے مجھے اپنی کل کائنات ایک روپیہ دے کر لاہور بھیجا تھا۔ اور پیاز کے ساتھ دو روٹیاں باندھ دی تھیں لیکن اب تمہیں دال نہیں پچتی۔ نظامی صاحب یہ بتا کر پھر کچھ دیر کے لئے سوچ میں ڈوب گئے فرمایا:

اس نوجوان کو فوراً گھر سے نکال دو۔ یہ کسی وقت بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے"

میں نے ایک روز کی مہلت دی تا کہ اپنا انتظام کر سکے۔ دوسرے روز چلا گیا۔ لیکن کسی بورژوا کامریڈ نے اس کی مدد نہ کی۔ وہ تعلیم ادھوری چھوڑ کر ٹیلیفون کے محکمہ میں ملازم ہو گیا۔ وہاں ٹریڈ یونین بنوا کر ہڑتال کروا دی۔ آجکل نہ جانے کہاں رہ رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ نظامی صاحب کمیونزم کے سخت مخالف اور کمیونسٹوں کے سخت دشمن تھے۔ کمیونسٹوں کو بھی ان سے خدا واسطے کا عناد تھا۔ اور وہ ان کے خلاف ہر طرح کا جائز و ناجائز پراپیگنڈہ کرتے تھے۔ کمیونزم کے متعلق ان کا خیال تھا کہ یہ ایک دہشت پسندانہ نظریہ ہے جو انسان سے اس کے غور و فکر کی صلاحیتیں سلب کر کے اسے ایک فولادی نظریئے کا خود پہنانا ہے۔ وہ علی الاعلان کہتے تھے کہ کمیونزم میں اگر عوام دوستی ہے تو روس، امریکہ اور برطانیہ کی طرح اپنے دروازے عام سیاحوں پر کیوں نہیں کھولتا؟ انہوں نے ایک دفعہ خود بھی روس جانے کی غایت درجہ کوشش کی۔ لیکن کراچی سے لے کر لندن تک کے روسی سفارت خانوں نے دوٹوک انکار کیا۔ وہ خیال کی آزادی کے سب سے بڑے حامی تھے۔ اور کمیونزم کے خلاف ان کا چارج شیٹ یہی تھا کہ وہ خیال کی آزادی کو سلب کر کے انسان کے دماغ کو سوچنے سے روک دیتا ہے۔ وہ اس کی حکائتیں اور روائتیں بھی سنایا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک جمہوری نظام سے بہتر کوئی نظام نہیں تھا۔ البتہ وہ اس کے مزاج میں اسلامی روح داخل کرنے کے زبردست حامی تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ پاکستان کی اصل

Marfat.com

طاقت اسلام ہے۔ اگر ہم لوگوں نے اسلام سے بدعہدی کی تو اسلام ہمیں معاف نہیں کرے گا۔ پاکستان میں محض معاشی آسودگی کی لہریں ہی کامیابی کا ذریعہ نہیں بن سکتی ہیں۔ بلکہ پاکستان میں اسلامی روح، سیاسی اور معاشی آزادی کا جزو لاینفک ہو کر ہی ایک صحت مند معاشرہ پیدا کر سکتی ہے۔ کمیونسٹوں کے بارے میں ان کے خیالات انتہائی خراب تھے۔ وہ انہیں کبھی عزت سے یاد نہ کرتے اور نہ عزت سے ان کا نام لیتے۔ لیکن ایک شخص ان میں ایسا ضرور تھا جس کی عزت کرتے اور وہ تھے سی آر۔ اسلم اس نوجوان کے وہ کلاس فیلو رہے تھے لہٰذا اپنے مطالعے اور مشاہدے کی بنیاد پر کہتے تھے کہ اسلم نہ صرف عقیدۃً کمیونزم پر ایمان رکھتا ہے بلکہ اپنے نظریئے میں وہ انتہائی مخلص، حد درجہ سمجھدار، بے غرض کارکن اور ہمہ تن قربانی و ایثار ہے۔ اس کے علاوہ جس کمیونسٹ کا پاکستان میں نام لیا جاتا۔ وہ اس کی رام کہانی سنا دیتے تھے۔ انہیں کمیونسٹوں سے اتنی نفرت تھی جتنی نفرت قائداعظم کو کانگرس سے تھی۔ وہ انہیں بالغ سیاست کا نابالغ بچہ کہتے تھے۔

.....☆.....☆.....☆.....

Marfat.com

سماع کا ذکر ادھورا رہ گیا۔ وہ صرف عارفانہ کلام یا کسی شگفتہ غزل کو خوبصورت آواز میں سننا پسند کرتے تھے۔ غالبؔ کے فارسی کلام سے انہیں بے حد لگاؤ تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ غالبؔ کے فارسی دیوان کو کوئی بلند پایہ فارسی دان جو علم شعر میں دستگاہ رکھتا ہو، مرتب کر دے تو اس کا ایک مرصع ایڈیشن شائع کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں وہ مختلف نام لیتے تھے لیکن میں نے انہیں مولانا غلام رسول مہر کے نام کا مشورہ دیا۔ وہ تیار ہو گئے کہ ان سے مرتب کرا کے کتبہ نوائے وقت کے زیر اہتمام شائع کریں۔ مگر اس سے پہلے خود ان کے دیوان زندگی کا تمت بالخیر ہو گیا۔

انہیں پنجابی شاعری کے متصوفانہ کلام سے بڑی دلچسپی تھی۔ قوالوں سے بھی پنجابی کلام کی فرمائش کر کے بلھے شاہؒ کے دوہے اور حیدر علی کی کافیاں گواتے۔ حضرت سلطان باہوؒ کے کلام پر تو بچھ جاتے تھے۔ آخری دنوں میں جب مارشل لاء کی گھٹن بہت بڑھ گئی۔ اور یہ ایک رات طویل سے طویل ہو گئی۔ تب انہوں نے سلطان باہوؒ کے کلام کے بعض ابیات کو اپنے حافظہ میں اتار لیا تھا۔ عموماً گنگنایا کرتے۔ اپنی آواز تو ان کی واجبی ہی تھی۔ لیکن وہ جو

Marfat.com

کہتے ہیں کہ رونا اور گانا کسے نہیں آتا۔ تو وہ اپنی لتھو کی آواز میں سلطان باہوؒ کے بعض مصرعوں کو کثرت سے گنگناتے۔ بسا اوقات حیرت ہوتی کہ ایسا شخص جو اُونچی آواز نہیں نکالتا۔ اور بازار میں چلتے وقت کھلے منہ بات نہیں کرتا۔ فٹ پاتھ پر گنگنا تا جا رہا ہے۔

گلیاں دے وچ پھرن نمانے لالاں دے ونجارے ہُو
توڑی مار اُڑا نہ باہو اساں آپ ہی اُڈن ہارے ہُو

موت کی ناگہانی آمد سے مہینہ بھر پہلے وہ ''توڑی مار اڑا نہ باہو اساں آپ ہی اُڈن ہارے ہو۔ اس گداز سے گنگناتے رہے کہ ان کی دل شکستگی کے آثار صاف محسوس ہوتے تھے۔ ان کے ادبی خیالات میں وقتاً فوقتاً انقلاب آتا رہا۔ بایں ہمہ وہ غالبؔ کو اردو کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتے۔ حالیؔ کو ہندوستانی مسلمانوں کا مرثیہ خواں، اکبرؔ الہ آبادی کو شاعر طناز، شبلی کو مؤرخ، شاعر اور ادیب مولانا ظفر علی خاں کی بداہتوں کے بہت زیادہ قائل تھے۔ فرماتے افسوس آزادی کے بعد سیاسی خانہ ویرانی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ قومی صحافت میں ایک بھی ظفر علی خان نہیں رہا.....

ظفر علی خاں خود ایک انجمن تھے۔ جب مسلمانوں کا کوئی مسئلہ چھڑتا وہ موچی دروازہ کے باہر خود ہی کرسیاں، دریاں، میزیں اور گیس لگوا کے مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جمع کر لیتے تھے۔ اب سارے ملک میں قحط الرجال ہے۔

علامہ اقبال کی شاعری کے ایک حصہ کو لافانی ایک کو طویل المیعاد اور ایک کو محض شاعرانہ اپج سمجھتے تھے مگر ان کا یقین تھا کہ مسلمانوں نے اس صدی میں اُن سے بڑا صاحب

Marfat.com

نظر پیدا نہیں کیا۔ عام شاعروں میں وہ کسی پر ایمان نہ لاتے تھے۔ صرف ان کے شگفتہ اشعار کی داد دیتے اور معاملہ ختم کر دیتے تھے۔

سماع میں بھی وہ مردانہ آواز کو پسند کرتے..... پکے راگوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ ان کا خیال تھا کہ نظم آزاد، اشتراکیت، پکاسو کی مصوری اور پکا راگ مسلمانوں کی تہذیبی شائستگی کے خلاف ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان کا اپنا چہرہ مہرہ بھی پکا راگ ہی تھا۔ ناک بیٹھی ہوئی دانتوں میں کھڑکیاں..... درمیانہ قد لیکن دوہرا بند، رنگ اجلا گندمی، اعصاب بہت مضبوط، غموں کی نمائش کرنا ان کی توہین سمجھتے تھے۔ غموں کو دل میں رکھنا ان کی آبرو۔ آنکھوں پر ہر وقت شیشے چڑھے رہتے۔ اکثر سوٹ پہنتے، عید و شبرات، چکن اور قراقلی بھی پہن لیتے تھے۔ چال میں فراٹا بالکل نہیں تھا۔ کبھی تیزی سے چلتے تو معلوم ہوتا ٹانگوں میں ایڑ لگی ہوئی ہے۔ قد سیدھا نہ تھا لیکن اس میں کوئی خم بھی نہیں تھا۔ دیانتدار پرلے درجہ کے تھے۔ ان کے ہاتھ اور نفس نے کبھی خیانت نہیں کی میں ان کے ساتھ یورپ میں بھی رہا۔ اور جاپان وغیرہ میں بھی۔ ان ملکوں میں لڑکیاں اس قدر ہوتی ہیں کہ بمبئی میں کیلے بھی اس بہتات سے نہیں ہوتے۔ جس کا جی چاہے خفیہ یا اعلانیہ سودا چکا سکتا ہے۔ لیکن ان کی طبیعت ہی ادھر نہ آتی تھی۔ اس لحاظ سے وہ سونا تھے خالص سونا پاسنگ کا سونا۔ کوہ نور ہیرا۔ ممکن ہے ان پر اسلامیہ کالج میں جوانی چنانکہ افتدانی کے اوقات گزرے ہوں لیکن جس نوجوان عمر اور بے پایاں اقتدار سے وہ اب گزر رہے تھے اُسمیں انہوں نے دماغ کا عیش یک قلم ترک کر رکھا تھا اور لہو و لعب سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ ہم نے ان میں عیب کی جھلک تک

Marfat.com

نہیں دیکھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی گزرگاہ خیال ہی اس سے خالی ہے۔ حالانکہ ہمارے اکثر دوست رقص وغنا کے بھی شیفتہ تھے اور کوچہ رسوائی کی سیاحت بھی ان کے ذمہ لگی ہوئی تھی۔

.....☆.....☆.....☆.....

Marfat.com

اُس زمانہ میں ربیعہ سے میری شاعرانہ اٹکھیلیوں کا آغاز تھا۔ ادھر دوستوں میں یہ داستان پھیلتی چلی گئی۔ نظامی صاحب بھی آگاہ تھے۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہتے تھے۔ ان کے رویہ سے ظاہر ہوتا تھا گویا وہ اس سے باخبر ہی نہیں۔ ایک روز موچی والا جاتے ہوئے۔ (کہ وہاں پولیس نے پورے گاؤں کو مار مار کر اُتو کر دیا تھا اور ان کی عورتوں کو بھی بے آبرو کیا تھا)..... مجھ سے کہنے لگے:

آغا صاحب!

ربیعہ کے معاملہ پر نظر ثانی فرمایئے۔ عام مسلمان ان معاملوں میں زبانیں دراز کر لیتے ہیں۔ شاعری کی اس راہ میں مفت کی رسوائی سے فائدہ؟ ایسا نہ ہو ایک کہانی کئی کہانیوں کا مجموعہ بن جائے۔ آپ ایک نامور مقرر ہیں اس صورت میں لوگوں کی نگاہیں اور بھی کڑی ہوتی ہیں۔ انہوں نے یہ الفاظ اس انداز میں کہے کہ خود بخود دل میں اُترتے گئے۔ نہ وعظ کا رنگ تھا نہ تنبیہہ کی ترشی، نہ نصیحت کا دبدبہ، تہدید کا خوف۔ ان کے اداریوں کی طرح سیدھی سادی بات! میں نے سر تسلیم خم کر دیا اور کہا۔

Marfat.com

نظامی صاحب!

انشاءاللہ وہی ہوگا جو آپ چاہتے ہیں۔اس کے بعد نظامی صاحب نے کوئی کلمہ نہ کہا اور بات موچی والا کے حادثہ پر آ گئی۔ اگلے روز اس سانحہ پر نظامی صاحب نے اس جرأت سے مقالہ لکھا کہ سارا ملک گونج اُٹھا۔انہوں نے خواجہ شہاب الدین کے نام کھلے خط میں وہ تمام واقعات درج کئے جو اس چک کے بدنصیب لوگوں کو پولیس کے ظلم سے پیش آئے تھے۔

اسی روز یا اگلے دن مجھے ڈپٹی انسپکٹر جنرل سی آئی ڈی سر راہ مل گئے۔ خشونت آمیز لہجہ میں کہنے لگے:

آپ اور نظامی صاحب پولیس کو پھانسی کیوں نہیں لگوا دیتے؟

میں ان کا مطلب سمجھ گیا۔عرض کیا۔ پھانسی تو قبلہ آپ لگوا سکتے ہیں۔ہم تو پھانسی پانے والوں میں سے ہیں۔تھوڑے دن بعد سی آئی ڈی کے ایک اور افسر مجاز سے ہیلتھ ویز کے باہر تو تکار ہوگئی۔ میں دوائی لے کر باہر آ رہا اور وہ دوائی لینے اندر جا رہا تھا۔ میں نے عادتاً سلام کیا۔میری عادت ہے کہ میں دو چیزیں ہمیشہ ملحوظ و مقدم رکھتا ہوں ایک سلام میں پہل دوسرا جنازے میں شرکت.....افسر مذکور نے اس کو اپنی برتری اور میری کمزوری سمجھا۔

ان کے اور میرے درمیان اس طرح گفتگو ہوئی:

میں ''السلام علیکم''

وہ سلام کا جواب دیئے بغیر پنجابی میں ''کیا حال ہے تمہارا؟''

Marfat.com

مجھے تمکنت ناگوار محسوس ہوئی

میں اللہ کا شکر ہے۔اس کے سہارے جی رہا ہوں

وہ تم بہت بڑھ گئے ہو۔

میں کیا قصور ہوا ہے جناب؟

وہ ابھی پتہ ہی نہیں کیا خطا ہوئی،

تم لوگ پولیس کے خلاف جہاں تہاں چاہتے ہو محاذ باندھے چلے جاتے ہو۔

میں جناب! میں نے کہیں محاذ نہیں باندھا۔

وہ موچی والا میں کیا لینے گئے تھے؟

میں وہ تو حمید نظامی گئے تھے۔

وہ تم بھی تو اس کے ساتھ نتھی ہو کر گئے تھے۔

میں جناب کوئی جرم نہیں کیا۔ وہ دوست ہیں۔ ساتھ لے گئے چلا کیا کوئی گلہ ہے تو ان سے کیجئے۔

وہ نہیں، تم ٹھیک ہونے کے قابل ہو۔

میں جناب کی مرضی، ہماری خطا؟

وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہم لوگ شمس الحق کی طرح لاشیں بھی گم کرا دیا کرتے ہیں۔

یہ سب کچھ وہ کھردری پنجابی میں کہہ رہا تھا۔ جس سے اس کا لہجہ تلخ ہونے کے علاوہ گنوار بھی ہو گیا تھا۔ میں نے ضبط کو توڑتے ہوئے کہا:

Marfat.com

میں قبلہ! میں تو آپ کو جی جناب کر رہا ہوں لیکن آپ ستم ڈھا رہے ہیں حتیٰ کہ لاشیں گم کروانے پر آ گئے ہیں۔ یہ لہجہ شرفاء کا نہیں ہے اور نہ آپ کو زیب دیتا ہے۔

وہ تو کیا تمہیں حضور کہا جائے؟

میں جی نہیں، انسان کو شریفانہ طور پر مخاطب کیا جا سکتا ہے۔

وہ پولیس اور شرافت؟ لقندروں کے ساتھ، ناممکن ہے

میں تو آپ ہمیں ہمیں لقندرا سمجھتے ہیں،

وہ اس سے بھی برتر؟

اس کا یہ کہنا تھا کہ میرا پارہ تیز ہو گیا۔ میں نے اُسی طرح کی ٹھیٹھ پنجابی بولتے ہوئے کہا:

تمہیں غلط فہمی ہے۔

اس نے اپنے فقرے کا اعادہ کرتے ہوئے پھر لاش غائب کر دینے کی دھمکی دی۔ میں یکسر بے قابو ہو گیا۔ میں نے کہا:

.....صاحب! آپ غلطی پر ہیں۔ آپ میری لاش غائب کرا دیں گے۔ میری اولاد، ان سانچوں کو تیزاب سے جلا دے گی جن میں آپ جیسے فرعون ڈھلتے ہیں۔ بس میرا یہ کہنا تھا..... کہ افسر مذکور غصہ سے کانپنے لگا۔ اس نے دفتر پہنچ کر بھرپور رپورٹ کی۔ گرمانی صاحب کا زمانہ تھا۔ جھوٹ جھڑ گیا۔ لیکن وہ شخص ہمیشہ میرے تعاقب میں رہا۔ اور جب کوئی بہتری کا موقع آیا اس نے وار پہ وار کئے۔ اس کے دل و دماغ میں میرے لئے زہر کے سوا

Marfat.com

کچھ نہیں۔ وہ خود ایک زہر تھا۔ اور زہر نے اس کے روئیں روئیں کو کثر دم واژدر بنا رکھا تھا۔ نظامی صاحب تک بھی یہ معاملہ پہنچا۔ زانی اور شرابی افسر کے پاؤں نہیں ہوتے۔ نظامی صاحب نے جب اس کی زبانی قصہ سنا تو اصلیت معلوم کرنے کے لئے مجھے بھی فون کیا۔ میں نے من وعن تمام واقعہ بیان کر ڈالا۔ نظامی صاحب نے اس سے کہا:

''آپ شورش سے نمٹ سکتے ہیں۔ تو ضرور نمٹیں۔ وہ بھی بٹیا نہیں..... اور نہ ہمارا محتاج ہے۔ البتہ آپ اس پر وار کریں گے تو ایک دوست کی حیثیت سے میرا فرض ہوگا کہ اس کا ساتھ دوں۔ شورش پولیس افسروں کے معاملہ میں بڑا فیاض واقع ہوا ہے۔ البتہ جو اس سے آنکھیں چار کرے اور تہدید آمیز الفاظ سے دھمکانہ چاہے وہ جھکتا نہیں۔ آپ نے غلطی کی..... اس غلطی کا جواب اس سے مختلف کیا ہو سکتا تھا۔

اس بزرجمہر کی تلخی اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ میں جن دنوں کامن ویلتھ کانگرس کے ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے انڈیا جا رہا تھا۔ اس نے بالواسطہ روڑے اٹکائے، مگر صدر ایوب نے اس کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ آخری داؤ اُس نے یہ کھیلا کہ پربودھ کی بچیوں سے میرے تعلقات کا افسانہ گھڑا۔ جو میری بیٹیوں کی طرح تھیں۔ اور مجھے آج بھی اتنی ہی عزیز ہیں جتنی اپنی بچیاں شائستہ اور شاہدہ..... صدر نے جب یہ آخری رپورٹ پڑھی تو سخت ناراض ہوئے اور اس کاغذ کو آتشدان میں پھینک دیا۔ کہ یہ سب من گھڑت ہیں۔ حمید نظامی مرحوم نے اس سلسلہ میں صدر کا بہ صمیم قلب شکریہ ادا کیا۔ مسٹر الطاف حسین ایڈیٹر ''ڈان'' نے صدر سے کہا کہ شورش میرے حلقہ کا آدمی نہیں تاہم میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے ساتھ

Marfat.com

یورپ اور جاپان میں رہا ہے۔ وہ اس مذاق ہی کا نہیں۔ سگریٹ بھی نہیں پیا۔ میں نے اس کو جنسی لحاظ سے ہمیشہ ایک شریف انسان پایا ہے۔

اس شکست کے بعد اس کو کلتاش کا منہ کالا ہو گیا۔ لیکن اس کے دل میں جو بغض جڑ پکڑ چکا تھا۔ وہ اس نے توشہ آخرت کے طور پر ساتھ رکھا اب اسکا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

.....☆.....☆.....☆.....

Marfat.com

دولتانہ وزارت قائم ہوتے ہی ''نوائے وقت'' اور نظامی پر مصائب کے دروازے کھل گئے۔ سرکاری اشتہارات تو پہلے ہی سے بند تھے۔ ہفتہ عشرہ بعد دولتانہ نے ''نوائے وقت'' کا الاٹڈ پریس ضبط کرلیا۔ عام پریسوں کو ہدایت کردی کہ ''نوائے وقت'' نہ چھاپیں، قانون مطابع میں دفتری ترمیم کی گئی احمد سعید کرمانی نے بعض دوسرے ہم سن ممبروں کو ساتھ ملا کر اسمبلی میں قرارداد پیش کی کہ ''نوائے وقت'' پر اسمبلی کے روبرو مقدمہ چلایا جائے۔ تھوڑے دنوں بعد'' نوائے وقت'' کا ڈیکلریشن منسوخ ہوگا۔ میر نور احمد تعلقات عامہ کے ڈائریکٹر نے کارگزاری کی انتہا کردی۔ ''نوائے وقت'' کا ڈیکلریشن اٹھا کر ایک اور صحافی کو دے دیا۔ نظامی مرحوم بھی سپر انداز ہونے والے نہیں تھے۔ انہوں نے ''جہاد'' نکالا۔ حکومت نے اس کو بھی اپنی عیاریوں سے اڑنچھو کرلیا۔ ''نوائے پاکستان'' نکالا۔ جو ''نوائے قت'' کے نکلنے تک چلتا رہا۔ نظامی دولتانہ میں کھلم کھلا لڑائی ہوگئی۔ ادھر لیاقت علی خاں کو نظامی نے آڑے ہاتھوں لیا۔ ان کی بیگم کے متعلق خامہ فرسائی کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے فرکوٹ کا واقعہ بے نقاب کیا۔ ادھر الیکشن نے لیاقت علی کے لئے پنجاب کی

Marfat.com

وسعتیں تنگ کر دیں۔ حزب اختلاف کی ڈٹ کر حمایت کی۔ غرض نظامی نے یہ لڑائی اس جرأت، مردانگی، دلیری، قوت، شجاعت، ایثار، بلند حوصلگی، قربانی، استقلال، استقامت اور ہمت سے لڑی کہ اردو صحافت میں اس کی نظیر نہیں ہے۔ اس آزمائش میں انہوں نے کسی شخص سے ایک کوڑی کی امداد نہیں لی۔ اس اثناء میں ان کے بعض دوستوں نے خوفزدہ ہو کر ان سے ملنا چھوڑ دیا۔ انہوں نے گلہ تو ایک طرف رہا اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ کئی دفعہ مختلف واسطوں سے کوشش ہوتی رہی کہ دولتانہ اور ان کے مابین مفاہمت ہو جائے۔ دولتانہ نے عاجز آ کر عزیز بیگ کے مکان پر ان سے ملاقات بھی کی۔ لیکن بے سود۔ لیاقت علی خاں کی طرف سے بھی بالواسطہ کوششیں ہوئیں مگر ناکام۔ سردار دیوان سنگھ نے ''نوائے وقت'' کے مصائب پر بیگم لیاقت علی خاں کو خط لکھا۔ کیونکہ جن دنوں ان کی خان لیاقت علی خان سے شادی نہیں ہوئی تھی اور وہ اندر پرست کالج میں پروفیسر تھیں۔ تو دیوان سنگھ مفتون سے ان کے مراسم تھے۔ بیگم نے دیوان سنگھ کو لکھا کہ یہ معاملہ اس طرح طے ہونے کا نہیں۔ نظامی ایک ضدی آدمی ہے،..... آخر کامن ویلتھ پریس یونین نے معاملہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو حکومت نے چاروں طرف سے رسوائیاں اور شکستیں سمیٹ کر ہتھیار ڈال دیئے۔ ''نوائے وقت'' اسی سج دھج سے نکلا، جو اس کے لئے مخصوص تھی۔ اور جس کو اس طرح طرۂ امتیاز سمجھتا جاتا تھا۔

نظامی صاحب قلم کے معاملہ میں کوئی مفاہمت نہیں کرتے تھے۔ قدرت نے انہیں..... ایک جری دل ایک روشن دماغ ایک شگفتہ روح اور ایک ناقابل تسخیر ولولہ دیا تھا۔ انہوں نے ''نوائے وقت'' کو اپنے زور قلم یا زور ذہانت سے ایک تحریک ایک انجمن ایک

Marfat.com

ادارہ ایک تنظیم ایک جدوجہد اور ایک ضمصام بنا دیا تھا۔ وہ پہاڑوں کی طرح مستقل مزاج اور آبشاروں کی طرح رواں دواں تھے۔ ان کی خرابی کہہ لیجئے یا خوبی، انا کہہ لیجئے یا غرور، وہ اکثر وزیروں کو زچ کر کے بہت خوش ہوتے تھے۔ صوبائی وزیروں میں سے تو اکثر کو منہ ہی نہیں لگاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس مخلوق میں کم لوگ قابل ذکر ہوتے ہیں۔ مرکزی وزراء میں بھی دو چار کے قدردان تھے باقی سب کو پستہ قامت خیال کرتے۔ کئی وزیروں کو جان بوجھ کر اپنے دروازے پر بٹھائے رکھتے، اکثر وزراء کو ملاقات کا وقت نہ دیتے۔ بسا اوقات وزرائے اعظم کو انکار کر دیتے کہ میں اس وقت معمول کے مطابق اپنے دوستوں کے ساتھ گپ لگا رہا ہوں۔ اکثر بڑے بڑوں سے ہاتھ ملانے سے بھی انکاری ہو جاتے۔ ان کے نزدیک دوست کشی سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں تھا۔ وہ غداری کے بعد سب سے زیادہ خطرناک اسی جرم کو خیال کرتے تھے۔ جس دوست کے بارے میں انہیں یہ معلوم ہو کہ دوستوں کا مخلص نہیں یا کسی وقت اُس نے اُپنے احباب سے دغا کی تھی اس سے اوّل تو فوراً ہی ورنہ بتدریج تعلقات منقطع کر لیتے۔ وہ تھتھیلے لوگوں سے تعلقات بنانا انسانی شرف و مجد کی اہانت سمجھتے تھے۔ ان کا نطشے کے الفاظ میں عقیدہ تھا۔ کہ پستیوں سے کہیں خطرناک بلندیاں ہوتی ہیں کیونکہ انہیں برتری کے احساس نے اندھا کر دیا ہوتا ہے۔

.....☆.....☆.....☆.....

Marfat.com

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو، اس کے برعکس بہ تصرف ادنیٰ یہ کہیے کہ حسن او
خوب بگفتی عیب او نیز بگو۔ وہ بہر حال ایک انسان تھے۔ اور انسان معصوم عن الخطا نہیں ہوتا۔
اس میں کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اس سے غلطیاں بھی اُچھلتی ہیں۔ انسان کبھی کامل نہیں
ہوسکتا۔ بے عیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ یا پھر پیغمبروں کا وجود خطاؤں سے منزہ ہوتا ہے۔
نظامی میں بھی بعض کوتاہیاں تھیں لیکن یہ کوتاہیاں ان کے دماغی فیصلوں کی کوتاہیاں تھیں۔ فی
نفسہ، ان کا دل ایک مسلمان کا دل تھا

اس کی نفرت بھی عمیق اس کی محبت بھی عمیق

ماہنامہ ''نقوش'' کے شخصیات نمبر میں، میں نے ان کی سیرت کا تجزیہ کرتے
ہوئے لکھا تھا کہ وہ پنجاب کے بڑے بڑے خاندانوں کی دولت اور رعونت کے خلاف
پنجاب کے پسماندہ خاندانوں کی عسرت اور غربت کا ذہنی انتقام تھے..... انہیں ان خاندانوں
کے فرزندوں کو نقد و نظر کی سنگینوں کے حوالے کر کے لطف محسوس ہوتا تھا۔ وہ صرف شرافت کی
قدر کرتے تھے۔ کسی آدمی کی اس کی دولت کی بنا پر مطلق عزت نہیں کرتے تھے۔ بہ قول ظفر

Marfat.com

علی خاں اُن کا عقیدہ تھا کہ ؎

اس ابتلا سے خدا کی ہزار بار پناہ
کہ جھک کے تم کسی نا اہل کو سلام کرو

یہی وجہ تھی کہ بعض لوگ بلکہ اکثر لوگ جوان کے نزدیک نہیں تھے انہیں بد دماغ کہتے۔ کسی حد تک یہ درست بھی تھا۔ وہ اپنے دوائر میں قائداعظم کی مثل تھے۔ ناقابل خرید، ناقابل تسخیر، ناقابل مفاہمت، ضدی، مستقل مزاج، دیانت دار، فہمیدہ، بات کی تہ تک پہنچ جانے والے۔ جو سامنے آیا پٹ گیا۔ ان میں ایک خوبی وافر تھی کہ وہ مار کھانا بھی جانتے تھے صرف مارتے نہیں تھے۔ ان کا دل بھی سخت تھا۔ جو رائے ایک دفعہ قائم کر لیتے جب تک اس سے بہتر رائے سامنے نہ آتی محض دوستانہ بنیاد پر ترک نہ کرتے۔ قلم کے معاملہ میں دوستوں کی رائے بھی نہ مانتے تھے۔ بعض لوگوں کا عطر نکال رکھا تھا۔ چھوٹے چھوٹے فقروں میں دوستانہ تبصرہ کر جاتے۔ اپنے معاملات میں دوستوں کو بھی مشیر نہ بناتے۔ خود ہی سوچ سانچ کر کسی فیصلہ پر پہنچ جاتے۔ ان کا معاملہ ہندسوں کی طرح تھا۔ ذاتی دکھ درد میں کسی کو شامل نہ کرتے۔ ہر مسئلہ خود ہی حل کرتے۔ رازداری ان کی طبیعت ناجز و غیر نیفک تھا۔ ہر دوست کو ہر بات کا اہل نہ سمجھتے، لیکن ہر دوست سے توقع رکھتے تھے کہ ان کے فیصلوں پر صاد کرے۔

زندگی لگی بندھی تھی۔ منہ اندھیرے اُٹھتے۔ پانی گرم کرتے خود ہی چائے بناتے۔ منہ ہاتھ دھو کر چائے پیتے فجر کی نماز ضرور پڑھتے۔ اتنے میں اخبار آجاتے ان کا بالاستیعاب مطالعہ کرتے حوائج ضروری سے فارغ ہو کر اخبار کا کام کرتے۔ صبح دس بجے تک اسی میں لگے

Marfat.com

رہتے۔مکان سے باہر تختی لگا رکھی تھی کہ ملاقاتی حضرات گیارہ بجے کے بعد تشریف لائیں یہ کام کا وقت ہے۔فون خود ہی سنتے بارہ بجے میاں محمد امین کے ہاں جاتے۔وہاں گپ اور چائے چلتی۔ایک بجے واپسی ہوتی۔کھانے کھاتے کچھ دیر آرام کرتے۔سو کر اُٹھتے،نہاتے دھوتے،کپڑے بدل کر دوستوں کی محفل میں مقررہ ریستوران میں چلے آتے۔وہاں مغرب تک بیٹھتے۔پھر سیر کرتے،عشاء سے پہلے گھر پہنچ جاتے۔رات دیر تک پڑھتے۔پڑھنے ہر چیز تھے۔انگریزی کی نئی تاریخی اور سیاسی کتابیں پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔جواب ہر خط کا دیتے اور اپنے قلم سے دیتے۔سوادِ خط انتہائی بھدا تھا لیکن جواب نہایت معقول اور مختصر ہوتا۔غالبؔ کا سا انداز بیاں تھا۔کھانے میں صرف کباب یا تکے مرغوب تھے۔زمانہ طالب علمی کے اُستادوں کی بے حد عزت کرتے اور ان کے کام آتے تھے۔قائداعظمؒ کے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔انہیں اپنا لیڈر اور محسن سمجھتے باقی لیڈروں کو برابر سرابر کا سمجھتے بعض کی عزت رسماً کرتے ورنہ انہیں سیاسی المیہ کے اداکار گردانتے۔نیشنلسٹ مسلمانوں کے آخر وقت تک مخالف رہے۔لیکن لیگ کی لیڈرشپ کے متعلق بھی ان کا حسن ظن ٹوٹ چکا تھا۔اور ان سے سخت بیزار تھے۔یہی صدمہ انہیں مارشل لاء میں گھن کی طرح کھاتا رہا۔اور وہ خزاں کے پتوں کی طرح اندر ہی اندر جھڑتے گئے۔انہیں اس بات کا سخت رنج تھا کہ لیگ کی لیڈرشپ نے اپنے فرائض سے غفلت برتی ہے۔ان میں کوئی جاندار آدمی نہیں ہے ورنہ مارشل لاء اس طرح نہ لگتا۔اور نہ یہ رات طویل ہو کر اتنی لمبی ہوتی کہ لوگ سحر کو ترس گئے ہیں۔انہوں نے اپنے طور پر کئی دفعہ مختلف لیڈروں کو انگیز نے اور کچھ کر گزرنے کی تحریک بھی کی لیکن ان کی

Marfat.com

بزدلی سے مایوس ہو گئے۔ انہیں سب سے زیادہ صدمہ یہ تھا کہ قوم میں زندگی اور اس کی روح نہیں رہی۔ لوگوں کا اپنے آپ سے اعتماد اُٹھ گیا اور بزدل ہو گئے ہیں۔ عوام نے خود سپردگی کا انداز اختیار کر لیا ہے۔ اگر لیل ونہار اسی طرح رہے تو صورت حال یہ ہوگی کہ ہم لوگ ایک سیاسی قبرستان میں زندگی گزار رہے ہونگے۔ جہاں گورکن اور مجاور موجودہ حکمران ہوں گے۔

.....☆.....☆.....☆.....

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ ''نوائے وقت'' نے اُردو اخبار نویسی میں انقلاب پیدا کیا۔ سرسری طور پر اس کا جائزہ اس طرح لیا جا سکتا ہے۔

ا۔ ''نوائے وقت'' سے پہلے صحافت کے مزاج میں انشاء پردازی اور شعر و شاعری کا دخل تھا۔ عام اخباروں کے مالک و مدیر عموماً ادیب و شاعر ہوتے تھے۔ ''نوائے وقت'' نے اخبار نویسی کی ان روایتوں کو بدلا۔ انہیں مغربی مذاق صحافت سے آشنا کیا۔ مثلاً:

۱۔ اداریہ نویسی کو مختصر، جامع، برمحل، تخلیقی اور موضوع کے اردگرد کیا۔

ب۔ خبروں کی ترتیب میں انگریزی اخباروں کی وسعت تو نہیں شباہت پیدا کی۔

ج۔ عام لوگوں کی بدلے ہوئے زمانہ کے مطابق ذہنی آبیاری کی۔

د۔ قصیدوں سے احتراز کیا۔

ر۔ ذاتی پراپیگنڈے سے اجتناب برتا۔ مثلاً زمیندار میں ایک دفعہ مولانا اختر علی خاں نے عیدالاضحیٰ پر قربانی کے دُنبے کی تصویر شائع کی تھی لیکن نظامی نے اپنی

Marfat.com

والدہ ماجدہ کے انتقال کی خبر بھی نہ دی۔

ان کا ذہن تھا کہ اخبارات ذاتی پراپیگنڈے کے لئے نہیں بلکہ قومی معاملات کی اشاعت وترویج کے لئے ہوتے ہیں۔

۲۔ اُردو اخبار نویسی کو انگریزی اخباروں کی طرح باوقار کیا، اور بلند سطح پر لے گئے۔ بلکہ اداریوں کے اعتبار سے اور بھی بالا کیا۔

۳۔ ایڈیٹر کو سیاسی اشغال سے الگ رکھنے کی نیو رکھی۔

۴۔ پاکستان کی حکومتوں کے بنانے اور بگاڑنے میں اہم کردار ادا کیا اس لحاظ سے وہ خود ایک تاریخ تھے۔

۵۔ اعلیٰ طبقے کو اُردو اخبار پڑھنے کی عادت ڈالی۔

۶۔ حکومت کے ایوانوں تک ''نوائے وقت'' کو اس کی قدر ومنزلت کے اعتبار سے پہنچایا۔

۷۔ اپنی تحریروں سے حکومت میں خوف، دوستوں میں ستائش اور لوگوں میں ''پرستش'' پیدا کی۔

۸۔ اخبار کے تجارتی پہلوؤں کو ملحوظ رکھا۔

۹۔ چندہ بازی اور امداد واعانت کے عوامی وسرکاری طریقوں کو ختم کیا۔

۱۰۔ اخبار کو یلو جرنلزم (Yellow Journalism) سے دور رکھا۔

۱۱۔ قلم اور صحافت کی آبرو میں حیرت انگیز اضافہ کیا۔

Marfat.com

۱۲۔ ثقیل الفاظ کی جگہ سہل الفاظ کو رواج دیا۔

۱۳۔ شروع سے آخر تک اپوزیشن کے ذہن وتصور کی حمایت کی۔

۱۴۔ پریس کی بین الاقوامی تنظیموں میں اُردو اخبار نویسی کی جگہ پیدا کی اور اپنا سکہ بٹھایا۔

''ریورٹر'' کے مینجنگ ڈائریکٹر مسٹر کلال نے دہلی میں خود راقم الحروف سے کہا تھا کہ تمہارے ہاں حکومت صرف ایک ایڈیٹر سے ڈرتی اور گھبراتی ہے اور وہ ہیں ''نوائے وقت'' کے مسٹر حمید نظامی، باقی اس کے دل میں کسی کے لئے کوئی خاص جگہ نہیں۔ حمید نظامی کے متعلق صدر مملکت کا خیال ہے کہ وہ بڑا ہوشیار ایڈیٹر ہے۔ جوان کی حکومت کے خلاف لوگوں کے دماغوں میں ہلکا ہلکا زہر داخل کرتا رہتا ہے۔ مسٹر کلال کا یہ بھی خیال تھا کہ حکومت عنقریب ''نوائے وقت'' کی اشاعت ممنوع کرنے والی ہے۔ اس کے نزدیک نوائے وقت ملک میں پرانی جمہوریت کا تذکرہ کر کے ان کے نوایجاد نظام بنیادی جمہوریت کے سینہ میں خنجر جھونکتا ہے۔ مسٹر کلال نے حمید نظامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

اس کوتاہ قامت آدمی میں جانے کیا خوف بھرا ہوا ہے کہ حکومت پاکستان کے اعیان وانصار بھی اس سے خوف زدہ ہیں۔ وہ اس کو ہر قیمت پر رام کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کا پختہ خیال ہے کہ یہ کسی طرح رام نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ نوائے وقت کی اشاعت روک دی جائے اور اس شخص کو بے بس کر کے جیل میں ڈال دیا جائے۔ یا پھر اس کی موت

Marfat.com

واقع ہو جائے۔ اس صورت میں نہ بانس رہے گا نہ بانسری بجے گی۔

نظامی مرحوم بھی چٹکی لینے سے کب رکتے تھے۔ اُنہوں نے مارشل لاء میں بھی کلمتہ الحق بلند کئے رکھا۔ اور اس طرح پہلو دار تنقید کرتے رہے کہ حکومت منہ تکتی رہ جاتی۔ ان کا ایک ہی موقف تھا۔ کہ مارشل لاء ختم کیا جائے۔ اور لوگوں کو بالغ رائے دہی کے اُصول پر ووٹ دینے کی اجازت ہو۔ تاکہ وہ اپنے نمائندے منتخب کریں۔ جو ان کے اعتماد سے ان پر حکومت کریں۔ جمہوریت اسی کا نام ہے۔ عوام کی حکومت عوام کے ووٹوں سے عوام کی معرفت عوام کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ انہوں نے صدر مملکت کی خواہش پر ان سے کئی دفعہ ملاقات کی۔ لیکن دوسرے ایڈیٹروں کی طرح انہوں نے خوشامد نہیں کی بلکہ کلمتہ الحق کہا۔ وہ یہی کہتے رہے کہ مارشل لاء کو جو کام کرنا تھا وہ ہو چکا۔ اب اس کو ختم کیجئے اور لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق لوٹا یئے۔ ایک دفعہ اُنہوں نے صدر سے کہا۔ اس قسم کی گھٹن سے نراج کو راستہ ملتا ہے۔ آمریت کے لئے سب سے بڑی مشکل اس کی جانشینی ہوتی ہے؟ اگر ایک آمر بالفرض اچھا بھی ہو تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس کا جانشین بھی اچھا ہوگا۔ یہ زمانہ آمروں یا بادشاہوں کا نہیں۔ یہ جمہور کا زمانہ ہے اور جمہور کو زیادہ دیر تک پابہ زنجیر نہیں رکھا جا سکتا ہے۔

نظامی صاحب نے انٹرنیشنل پریس انسٹی ٹیوٹ کے دو سالانہ اجلاسوں برلن اور ٹوکیو میں بھی دنیا بھر کے اخبار نویسوں کو یہی تاثر دیا کہ پاکستان اوّل و آخر جمہوریت چاہتا ہے۔ یہی بات انہوں نے کامن ویلتھ پریس کانفرنس کے مندوبین سے کہی۔ لیکن ان کا ایک جذبہ بڑا ہی قابل تکریم تھا۔ کہ وہ اپنے ملک سے باہر اپنی حکومت، اپنی قوم، اپنی مملکت

Marfat.com

اور اپنے ملک کی توہین گوارا نہیں کرتے تھے کوئی سوال کرتا تو اس کو ٹکا سا جواب دیتے کہ یہ ہمارا گھریلو مسئلہ ہے۔ ہم بیرونی مداخلت نہیں چاہتے۔ ان ملکوں میں ان کے اشغال کانفرنس کی کارروائیوں کے بعد سیر و سیاحت اور نائٹ کلبوں میں رقص دیکھنے تک محدود ہوتے تھے۔ جہاں تک عزت نفس کا سوال تھا وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرتے جس سے ان کی ذات پر آنچ آتی ہو۔ یا ملک رسوا ہو۔ انہیں نہ تو کوئی نشہ تھا نہ کوئی عیب بس رقص دیکھنے کے شوقین ضرور تھے۔ یا پھر دوستوں کو چھیڑ کر کیف وسُرور اُٹھاتے تھے۔ اُن کے احترام کا یہ حال تھا کہ ہر ملک کا ایڈیٹر ان کی عزت کرتا۔ ان کے خیالات غور سے سنتا اور ان کے صائب الرائے ہونے کی داد دیتا۔ میں نے اپنے ساتھی ایڈیٹروں میں کسی شخص کی اتنی اہمیت اور عزت نہیں دیکھی جتنی حمید نظامی کو اُردو اخبار نویس ہونے کے باوجود بین الاقوامی طور پر حاصل تھی۔

ان ساری خوبیوں کے باوجود ایک خلاء ہمیشہ ہی محسوس کیا گیا، کہ

۱۔ نوائے وقت نے متبادل لیڈر شپ نہ پیدا کی۔

۲۔ جن لوگوں کو وہ پرکھ چکے تھے انہیں بار بار آزماتے رہے یا انہیں کے بتوں کو اُجالتے چلے گئے۔

۳۔ ان سے معافی پا کر قاتل بھی مقتول ہو جاتا تھا۔

۴۔ انہوں نے لیگ سے شدید اختلاف کے باوصف پرانے اور سیانے مسلم لیگیوں ہی کو مقدم رکھا۔ جن کا طول اس زمانے میں خان عبدالقیوم اور عرض احمد سعید کرمانی تھے۔

Marfat.com

۵۔ وہ بسا اوقات ساتھیوں کے انتخاب میں بھی غلطی کر جاتے تھے۔

۶۔ ان کا اختلاف بہت شدید ہوتا تھا۔

۷۔ وہ ان لوگوں کی بھی سرپرستی کر جاتے تھے جن کے متعلق انہیں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی بدولت ملک وقوم کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

۸۔ جن لوگوں سے اختلاف ہوتا ان کے لئے ان میں عفو و درگزر کا مادہ بالکل نہیں تھا۔

۹۔ وہ سیاسی کام کرنے کے بڑے متمنی تھے لیکن ایک جماعت کیونکر فراہم ہو سکتی ہے خود اس کے لئے اقدام نہیں کرتے تھے۔

۱۰۔ انہیں اپنی رائے پر اتنا اعتماد ہوتا کہ اس کے منوانے پر مصر ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ دوستوں کے غور و فکر کا راستہ رک جاتا تھا۔

۱۱۔ وہ تنہا فیصلہ کرتے اور دوستوں سے توقع کرتے کہ بلا چون و چرا تسلیم کر لیں گے۔ چونکہ ان سیاسی فیصلوں میں ان کی اپنی ذات کا سوال نہیں ہوتا تھا اس لئے اکثر و بیشتر دوست ان کی فراست اور ان کے اخلاص کو ملحوظ رکھتے ہوئے صاد کر دیتے تھے۔ لیکن اس کا نتیجہ نکلا جو ناگزیر تھا۔ یعنی وہ رحلت کر گئے تو ان کا مرکزی وجود بھی ختم ہو گیا۔ بہ الفاظ شاعر

وہ اُٹھ گئے تو چراغوں میں روشنی نہ رہی

.....☆.....☆.....☆.....

Marfat.com

مارشل لاء کے نفاذ نے ان میں گھٹن پیدا کر دی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ بلائے بے درماں جلد سے جلد ختم ہو اور ملک وملت کے جن مسائل میں تشنگی محسوس ہو رہی ہے ان کے بارے میں حکومت کو جھنجوڑیں۔ لیکن مارشل لاء زلف یار کی طرح دراز ہوتا گیا۔ اس کی تھاہ کا پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ مارشل لاء ایک اژدہا کی طرح پھنکارتا رہا۔ وہ اس کے خوشگوار پہلوؤں کے بھی معترف تھے۔ لیکن اُصولاً اور معناً اس کے خلاف تھے۔ فی الجملہ وہ مارشل لاء کو ملک وقوم کی ذہنی آب وہوا کے منافی سمجھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ان کے پاس بھی ہر قسم کے لوگ چلے آتے تھے۔ خصوصیت سے وہ لوگ جو محروم اقتدار ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے وہ انہیں جگانے اور اُٹھانے کی بہت کوشش کرتے۔ لیکن بے سود۔ خان عبدالقیوم کے معافی نامہ نے انہیں دل شکستہ کر دیا تھا۔

میں انہیں چھیڑا کرتا کہ آپ مسلم لیگ سے اس کے سوا کیا توقع کر سکتے ہیں؟ تو انہیں احساس واعتراف کے باوجود جھنجلاہٹ ہوتی۔ وہ تبرّیٰ تولتے کہ پاکستانی قوم کو کوؤں کی سیادت سے واسطہ پڑا ہے۔ ان کے نزدیک لیگ متروکات سخن میں سے تھی۔ اس کے

Marfat.com

بعض الفاظ اور نعرے غیر مستعمل ہو گئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ گریبانوں پر ہاتھ ڈالیں لیکن موسم کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے میاں افتخار الدین سے بھی صلح کر لی، عوام کے متعلق ان کا خیال تھا

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اس کے باوجود اُنکے نزدیک ساری قوم اقبالی مجرم ہو گئی تھی۔ جس روز ان موت کے مرض نے حملہ کیا اس رات وہ خلاف معمول کچھ زیادہ ہی غمگین تھے۔ گارڈ لینا نکل کر موٹر میں سیر کی۔ پھر ٹمپل روڈ کے چوک میں اُتر گئے۔ اور مجھے ساتھ لے کر ٹمپل رو سے ہائی کورٹ تک ٹہلنے لگے۔ یہ ان کے معمول کے خلاف تھا۔ فرمایا:

میرا بچہ کہتا تھا کہ اخبار نویسوں کو کیا ہو گیا ہے۔ ان کے قلم کنگ ہو گئے ہیں جب اولاد اس طرح سوچے اور باپ کی عزت بیٹے کی نظر میں حقیر ہو جائے تو زندگی بدمزہ جاتی ہے۔ میں آج اس کو جواب دیئے بغیر چلا آیا ہوں۔

ن۔ اس سناٹے کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔

ش۔ لیکن اب تو یہ سناٹا ٹوٹنے والا ہے۔

ن۔ یہ سناٹا ہمت مردانہ کے بغیر کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

ش۔ کچھ فرق تو پڑے گا۔

ن۔ صرف زنجیریں بدلی جا رہی ہیں..... ان سے قیدی آزاد نہیں جائیں گے۔

Marfat.com

ش۔ لیکن مارشل لاء کا خوف تو نہیں رہے گا۔

ن۔ ٹھیک یہی وقت گریبانوں پر ہاتھ ڈالنے کا ہے۔

ش۔ ہاتھ کون ڈالے؟ چاروں طرف خلاء ہی خلا ہے۔

ن۔ اس خلا کو دور کیا جا سکتا ہے۔

ش۔ کون کر سکتا ہے۔

ن۔ میں اور آپ۔

ش۔ نظامی صاحب مجھ میں ہمت نہیں کثیر العیال ہوں۔ کوئی بازو نہیں حکومت پرائی نہیں اپنی ہے۔ اس نے ایک دفعہ دھر لیا تو پھر جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔

ن۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ تم بھی کمزوروں کی سی بات کرتے ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں بھی جیل جاؤں گا۔

ش۔ نتیجہ کیا ہوگا؟

ن۔ صرف بند ٹوٹنے کی دیر ہے انشاء اللہ نتیجہ اچھا نکلے گا۔

ش۔ لیکن خان عبدالقیوم کی گرفتاری کے وقت تو یہ بند نہیں ٹوٹا تھا۔

ن۔ اب حالات مختلف ہو چکے ہیں۔ لوہا گرم ہے صرف چوٹ لگانے کی ضرورت ہے۔

ش۔ آپ کا خیال ہے۔

ہم نے ٹمپل روڈ سے ہائی کورٹ تک فٹ پاتھ پر کئی پھیرے کئے لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ نظامی صاحب سے میرا اختلاف قائم رہا۔ مجھے ان کی کوئی دلیل و اپیل اور دعوت

Marfat.com

وترغیب آمادہ نہ کرسکی۔ وہ سخت مایوس ہو گئے۔ تاہم انہوں نے دل نہیں چھوڑا۔ ان کا خیال تھا میں جذباتی آدمی ہوں آج نہیں کل مان جاؤں گا۔ وہ مجھے ازارہ مذاق طعن بھی دیتے رہے کہ مال اور اولاد کے اٹکاؤ کی وجہ سے بزدل ہو گئے ہو۔ لیکن میں زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد، ہو چکا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کا اصرار بڑھتا ہی جا رہا ہے اور وہ کچھ افسردہ سے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جب ان کی زبان سے یہ فقرہ نکلا کہ میں اس سڑک پر پھرتا ہوا اپنے آپ کو بے غیرت محسوس کر رہا ہوں۔ مجھ پر بجلی کے ان کھمبوں سے لے کر ہائیکورٹ کی برجیاں تک ہنستی نظر آتی ہیں۔ تو میں نے ان سے (روزوں کے دن تھے) سحری کے وقت حاضر ہو کر مزید بات چیت کرنے کا وعدہ کیا..... گھر پہنچ کر میں بھی بے چین رہا اور شاید وہ بھی سو نہ سکے۔ سحری کے وقت فون کی گھنٹی بجی

''آغا صاحب تشریف لائیے''

''سحری تیار ہو رہی ہے۔ کھا کے حاضر ہوتا ہوں''۔

''یہاں کھالو''

''جی نہیں ہم لوگ کشمیری ہیں۔ ہمارا کھانا پینا ذرا پر تکلف ہوتا ہے''

تھوڑی دیر بعد پھر فون آیا۔ ''ابھی تک آپ گھر میں ہیں چلے نہیں''

''بس! روٹی سامنے رکھی ہے دو چار نوالے حلق سے اتار کر آتا ہوں''

آدھ گھنٹہ اسی میں لگ گیا۔ میں نے فون کیا تو رسیور ایک مانوس آواز نے اُٹھایا۔ ڈاکٹر حسن بول رہے تھے۔

Marfat.com

''نظامی صاحب کہاں ہیں''

''بھئی ابھی تو انہوں نے مجھے دو دفعہ فون کیا ہے کہ فوراً چلے آؤ کچھ باتیں کرنی ہیں۔وہ رات وعدہ لے کر گئے تھے''۔

''انہیں ابھی تکلیف ہوئی ہے۔ بھابی نے فون کر کے بلایا ہے۔ میں نے انجکشن دے دیا ہے تمہارے آنے کی ضرورت نہیں وہ سو گئے ہیں''۔ میں نے سمجھا جان بچی لاکھوں پائے۔ صبح ہوگئی میں گھر سے کسی کام کے لئے نکل گیا۔ کوئی نو بجے کے لگ بھگ دفتر پہنچا تو محمد حسین نے بتایا کہ میاں محمد امین اور راجہ حسن اختر کے بہت سے فون آ چکے ہیں۔ نظامی صاحب کو ہارٹ اٹیک (Heart Attack) ہو گیا ہے۔ ان کی حالت نازک ہے۔ میں بھاگم بھاگ ان کے ہاں پہنچا تو وہ بے ہوش پڑے تھے۔ میاں محمد امین نے کہا کہ ڈاکٹر شجاعت علی جواب دے گئے ہیں۔ ڈاکٹر شبر نے کہا۔ جس ڈاکٹر کو چاہو بلا لو۔ لیکن اب ان کا بچنا محال ہے۔

الہٰ العالمین! یہ کیا؟ جب یقین ہی ہو گیا کہ ان کا چراغ حیات گل ہو رہا ہے تو میں نے ڈاکٹر مبشر حسن سے صلاح کر کے مجید نظامی کو لندن فون کیا۔ بڑی کشمکش کے بعد فون ملا۔ میں اور دوسرے خاص دوست سمجھتے تھے کہ مجید کا لاہور پہنچنا ضروری ہے۔ بھائی تو یوں بھی ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہی ہوتے ہیں۔ لیکن مجید تو حمید کے لئے گوہر یک دانہ تھا۔ انہیں اپنے بھائیوں میں مجید سے بے حد لگاؤ تھا۔ انہوں نے نہ صرف مجید کی تعلیم کو مکمل کرایا بلکہ بیرسٹری کرنے کیلئے لندن بھجوا دیا۔ جہاں وہ ''نوائے وقت'' کے وقائع نگار خصوصی

Marfat.com

تھے۔ایک صحافی کے طور پر مجید کی تربیت کی۔ جب مجید لاہور میں تھے تو ''سرراہے'' کا کالم عموماً وہی لکھا کرتے۔ مجید کے نقطہ نگاہ میں تنوع پیدا کرنے کے لئے انہیں دنیا کے مختلف ملکوں میں بھجوایا۔تا کہ وہ خود دیکھ اور پرکھ لیں کہ دنیا کے حالات کن سانچوں میں ڈھل رہے ہیں۔موت سے کوئی ایک سال پہلے انہیں نوائے وقت پبلی کیشنز کا ڈائریکٹر منتخب کرایا۔ گویا ایک غائبانہ تصور ان کے لاشعور میں کام کر رہا تھا کہ وہ رخت سفر باندھ کر ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے جا رہے ہیں۔ مجید کی شادی بھی نہایت شفقت سے کرائی۔ مجید لندن میں تھے کہ فون کے ذریعے ایجاب وقبول ہوا..... اگلے روز ریحانہ (مجید کی اہلیہ) کو انگلینڈ بھجوا دیا۔ دونوں کئی سال سے وہیں رہ رہے تھے۔ ہم نے لاہور سے فون کیا تو مجید گھر پر نہیں تھے۔ ریحانہ نے فون سنا۔ جب انہیں بتایا گیا کہ حمید نظامی جاں بلب ہیں' مجید فوراً لاہور چلے آئیں، تو وہ نالہ بلب ہو گئیں۔ مجید اسی روز دم بخود لاہور آ گئے۔ مجید کے آتے ہی حمید نے اچانک آنکھیں کھول دیں۔ بھائی کو دیکھا تو قدرے تبسم فرمایا:

''مجید! تم آ گئے؟'' ''تمہیں کس نے اطلاع دی؟

پہلا جملہ تو ان کے ہونٹوں سے ٹوٹ کر نکلا۔لیکن دوسرا ان کے چہرے کا تاثر تھا۔اس کے فوراً بعد آنکھیں بند کر لیں۔اور پہلے کی طرح بے ہوش ہو گئے۔ پھر ایک رات اور ایک دن بے ہوش رہے۔ تین شب و روز موت سے جنگ کی آخر ۲۵ رفروری ۱۹۶۲ء کو ان کا کاسۂ حیات پُر ہو گیا۔اور وہ ہمیشہ کے لئے وہاں چلے گئے جہاں سے کوئی بھی لوٹ کر نہیں آتا۔

Marfat.com

غالبؔ نے کہا تو اپنے متعلق تھا لیکن ان کی سیرت پر بھی بکمال وتمام کھلتا ہے کہ

کون ہوتا ہے؟ حریفِ مئے مرد افگن، عشق

ہے مکرّر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

☆☆☆

Marfat.com

حمید نظامی کی صحافت

اور آج کا پاکستان

25 فروری 2010

Marfat.com

☆ زمانہ طالب علمی میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد رکھنے سے لے کر ''نوائے وقت'' کی بھرپور اشاعت تک حمید نظامی مرحوم نے ملکی صحافت اور سیاست میں محب الوطنی کی جو مثال اور روایت قائم کی ہے اس روایت کی پاسداری موجودہ سیاست اور صحافت میں بہت کم ملتی ہے۔ آج کے پاکستان کو حمید نظامی جیسے زیرک صحافی اور محب الوطن پاکستانیوں کی شدید ضرورت ہے۔ موجودہ دور کے صحافیوں کو ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے ملک کو عظیم سے عظیم تر بنانے کے لئے عملی جدوجہد کرنی چاہیے۔

میاں محمد نواز شریف (سابق وزیراعظم پاکستان)

☆ ''نہ دوستوں سا حسین تبسم نہ دشمنوں سی وہ تلخ شکنیں'' موجودہ دور کے سیاستدانوں اور صحافیوں میں مفقود ہوگئی ہیں۔ ایسی روایات جب تک ہمارے معاشرے میں قائم نہ ہوں گی اس وقت تک ملک ترقی نہیں کرے گا۔

مولانا فضل الرحمٰن (ایم این اے) امیر جمعیت علماء اسلام

☆ صحیح اور سچی صحافت نے ہر دور میں پوری جرأت اور استقامت کے ساتھ ملک وقوم کی ترقی اور استحکام میں کردار ادا کیا ہے۔ آج کے دور میں اگر مشت اور کھری صحافت کے ساتھ کام کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام کا قلعہ پاکستان دنیا میں ناقابل تسخیر قلعہ تصور کیا جائے۔ حافظ حسین احمد (سابق سینٹر و ایم این اے) مرکزی رہنما JUI

☆ حمید نظامی مرحوم کی عظمت کا زاویہ ہے کہ وہ زندگی کے کسی دور میں بھی حق گوئی

Marfat.com

سے پیچھے نہیں ہٹے اور انہوں نے نوائے وقت کو بھی یہی پالیسی دی ہے آج کے پاکستان کی ترقی و مضبوطی کے لئے ایسے اخبارات کا کردار نا قابل تردید ہے۔

پروفیسر سینٹر ساجد میر (امیر مرکزی جمعیت علماء) پاکستان

☆ ایمان داری سے اپنی دھرتی سے پیار کرنا عظیم دھرتی کے عظیم سپوتوں کا شیوہ ہے۔ دھرتی پر قربان ہونے کا جو جذبہ حمید نظامی میں موجود تھا۔ آج کے پاکستانی صحافیوں اور سیاستدانوں میں وہ جذبہ اگر پیدا ہو جائے تو کچھ شک نہیں کہ پاکستان عالم اسلام کی سپر پاور بن جائے۔ اسفندیار ولی (صدر عوامی نیشنل پارٹی)

☆ عوام کی آواز کو اپنے اداریوں میں منتقل کرنے والے حمید نظامی مرحوم کو پوری قوم میں انفرادیت اور محبوبیت حاصل تھی آج کے صحافیوں میں سے اکثریت اس محبوبیت سے محروم ہے یہی آج کے پاکستان کا بنیادی مسئلہ ہے۔

ہمایوں اختر خاں جنرل سیکرٹری پاکستان مسلم لیگ (ہم خیال)

☆ اقتدار فانی چیز ہے۔ اس کو مدعا سمجھنے والے صحافی اور سیاستدان جب تک اس ملک میں موجود ہیں۔ عام آدمی کی زندگی نہیں سنور سکتی۔

شاہی سید (صدر اے این پی) سندھ

☆ عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے غالب کے بقول حمید نظامی مرحوم ایسی ہی آتش عشق کا منبع تھے ان کا اخبار نوائے وقت آج بھی

Marfat.com

پورے ملک میں اپنی تحریروں کے ذریعے لافانی عاشقانِ وطن میں اضافہ کررہا ہے۔

الطاف حسین (قائد ایم کیو ایم)

☆ باطل قوتوں کے خلاف جس استقامت اور بے جگری سے حمید نظامی مرحوم نے صحافتی جدوجہد کی آج ملک کے ہر شعبہ میں مستقل مزاج اور بہادر لوگوں کی ضرورت ہے۔

سید منور حسن (امیر جماعت اسلامی) پاکستان

☆ حمید نظامی جیسی شخصیات ایک تحریک کی حیثیت رکھتی ہیں ان کی جاری کی ہوئی تحریک آج بھی پوری آب وتاب سے جاری ہے عوام وخواص کو اس تحریک کو اپنانا چاہئے۔ خلوص عمل سے پاکستان کو چار چاند لگائے جاسکتے ہیں۔

عزیز احمد اعوان (جنرل سیکرٹری تعمیر پاکستان پارٹی)

☆ اگر کوئی آزاد اخبار حکومتی عہدیداروں کی چاپلوسی کو اپنا فرض تصور کرلے تو ایسی صحافت پر بھی لعنت اور صحافی پر بھی عوام کی لعنت، عوام کا ترجمان وہی اخبار ہے جو سچی اطلاع کو عوام کی امانت تصور کرکے من وعن عوام وخواص کے سامنے لائے۔

سردار محمد یعقوب ناصر صدر مسلم لیگ (ن) بلوچستان

☆ نپی تلی، صاف ستھری اور چاروں کونوں چوکس صحافت ملک وملت کا سرمایہ ہوتی ہے۔ پاکستان کے موجودہ میں صحافتی اداروں کی بہتات ہے اگر صداقت وامانت کا دور دورہ ہوتو کیا بات ہے۔ پیر صابر شاہ (سابق وزیر اعلیٰ) سرحد، صدر مسلم لیگ (ن) سرحد

Marfat.com

☆ حمید نظامی مرحوم کا عقیدہ تھا کہ پاکستان کی اصل طاقت اسلام ہے۔ مگر اسلام کی آڑ میں دہشتگردی اور نفرت کے وہ سخت مخالف تھے۔ آج کے سیاستدانوں اور صحافیوں کو اسلام کو اس کی اصل روح کے ساتھ ملک میں نافذ کرنے کے لئے کام کرنا چاہیے۔

جگر گوشہ، محدث اعظم پاکستان صاحبزادہ حاجی فضل کریم (ایم این اے) صدر مرکزی جمعیت علماء پاکستان

☆ پاکستان میں صحافتی، سیاسی، معاشی اور فکری آزادی قائم کر کے نہ صرف حمید نظامی جیسے جلیل القدر لوگوں کی روحوں کو طمانیت بخش سکتے ہیں بلکہ اس ملک کو بھی مستحکم کر سکتے ہیں۔ رائے منصب علی خان کھرل (سابق وفاقی وزیر) ننکانہ صاحب

☆ آمرانہ رویوں کے خلاف اپنی قلم سے جہاد کرنے والے حمید نظامی مرحوم کی روح کو خوش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان جیسا مضبوط اور سچا کردار اپنی شخصیتوں میں پیدا کریں۔ چودھری محمد جعفر اقبال گجر (مرکزی رہنما) پاکستان مسلم لیگ (ن)

☆ کس قدر بدنصیبی ہے کہ آج قومی صحافت میں ایک بھی حمید نظامی نہیں رہا۔ ایک بھی ظفر علی خان نہیں اس عہد کے صحافیوں کو اس امر پر غور کرنا چاہیے۔

میاں جاوید اقبال (مینجنگ ڈائریکٹر ستارہ کیمیکلز انڈسٹریز) فیصل آباد

شیخ عبدالقیوم (صدر چیمبر آف کامرس) فیصل آباد

☆ حمید نظامی مرحوم پاکستان میں جمہوریت کے قیام اور فروغ کے خواہاں تھے۔ آج کے صحافیوں اور سیاستدانوں کو جمہوریت کے استحکام کے لئے پورے خلوص سے کام کرنا چاہیے۔

چودھری مشتاق احمد ورک آف کلہ (بزرگ رہنما) پاکستان مسلم لیگ (ن) شیخوپورہ

Marfat.com

☆ ناقابل خرید، ناقابل تسخیر، ناقابل مفاہمت اور زیرک صحافی حمید نظامی مرحوم کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اصولوں کی فتح کا نقارہ ہے۔آج کے صحافیوں کو اگر صحافت کی تاریخ میں زندہ رہنا ہے تو ان کا کردار اپنانا ہوگا۔ عمران خان (صدر تحریک انصاف) پاکستان

☆ حمید نظامی مرحوم کی تمام زندگی اس امر کی آئینہ دار ہے کہ وہ نیک خو، راست باز اور پرہیز گار صحافی تھے نوجوان صحافیوں میں ان جیسے کئی صحافی پیدا ہو سکتے ہیں ضرورت صرف اس امر کی ہے ان کے کردار سے سبق سیکھ کر اس پر خلوص دل سے عمل کیا جائے۔

عبدالمجید منہاس (چیئرمین حفیظ تائب فاؤنڈیشن) سرپرست قلم فاؤنڈیشن

☆ سچی صحافت کی راہ میں محترم حمید نظامی مرحوم کو مشکلوں اور سنگین نتائج کی دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑا مگر ان کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی اس استقامت اور جرأت کو سلام پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر محمد لقمان نائب صدر PML(N) امریکہ

☆ حمید نظامی کی صحافت میں یہ وصف تھا کہ ان کی صحافت نے سچائی کے مقابلہ میں سرمایہ داری اور جاگیرداری کو شکست دی سوال یہ ہے کہ آج کی صحافت میں یہ دم خم ہے اگر نہیں تو آج کی عوامی مشکلات جائز اور درست ہیں۔

مطلوب احمد وڑائچ (ممتاز دانشور، مصنف، سیاستدان، کالم نگار روزنامہ نوائے وقت)

☆ جس صحافی کی پشت پر عوام ہوں اس کو حق بات سے کبھی نہیں ڈرنا چاہئے اور جس صحافی کی پشت پر عوام نہ ہوں اسے دال چھولے کی ریڑھی لگا لینی چاہئے صحافت کو خیر باد کہہ دینا چاہئے۔ ڈاکٹر محمد اشرف گھمن (صدر نظریہ پاکستان ٹرسٹ) شیخوپورہ

Marfat.com

☆ اعلیٰ اور تعمیری صحافت کے مقاصد کو سر بلند رکھنے والے حمید نظامی مرحوم کی زندگی موجودہ دور کے سیاسی وصحافتی کارکنوں کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

جہانگیر بدر (جنرل سیکرٹری) پاکستان پیپلز پارٹی

☆ اپوزیشن اور صحافت اگر مل کر کام کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک سے کرپشن کا خاتمہ نہ ہو۔

صفدر علی خاں (چیف ایڈیٹر ماہنامہ فلک رنگ) لاہور

☆ ''نوائے وقت'' کے مدیر حمید نظامی مرحوم نے قیام پاکستان کے بعد جس پر خطر دور میں بے خوفی اور حق شناسی سے تعمیر پاکستان کے لئے کام کیا وہ کام اب ہر صحافتی ادارے کو جاری رکھنا چاہئے۔ امداد حسین چانڈیو (مرکزی رہنما) پاکستان مسلم لیگ (ن)

☆ صحافت تجارت نہیں ایک مشن ہے۔ سیاست اقتدار نہیں خدمت کا راستہ ہے۔ یہ الفاظ صرف کاغذوں کی بجائے لوگوں کے کرداروں کا حصہ بن جائیں تو ملک جنت نظیر بن جائے گا۔ حاجی محمد حنیف طیب (سابق وفاقی وزیر) کراچی

☆ حمید نظامی مرحوم پاکستان میں علاقائی، نسلی اور لسانی تعصّبات کے ہمیشہ مخالف اور مسلمانان پاکستان کی واحدانیت کے پرزور حامی تھی۔ اس قومی خواہش کو آج کے صحافیوں کو پروان چڑھانا چاہئے۔

سردار بشن سنگھ، ڈاکٹر منور چاند، بشپ ایم ایم وقاص، پرویز روشن، ریورنڈ چراغ روشن، ڈیوڈ عرفان

Marfat.com

☆ حمید نظامی مرحوم نے اپنی آتش بیانی سے پنجاب کے جوانوں میں غیرت وحمیت کے ایسے چراغ روشن کئے کہ ان کے شعلوں سے ملک دشمن جل کر خاک ہو گئے۔

زبیر گل (صدر) مسلم لیگ (ن) برطانیہ

☆ حمید نظامی مرحوم کی طرح ہر پاکستانی کا شعار اکل حلال اور صدق مقال ہونا چاہئے۔

چودھری نذیر احمد (صدر انجمن اخبار فروش) لاہور

☆ حمید نظامی مرحوم کے نزدیک صحافت ایک مقدس مشن تھا۔ اس مشن کے لئے انہوں نے خود کو وقف کر رکھا تھا۔ آج صحافت کو بزنس کا درجہ دلوانے والے صحافیوں کے لئے ان کی زندگی انقلاب آفرین سبق ہے۔

چودھری عبدالغفور خان (صوبائی وزیر جیل خانہ جات) حکومت پنجاب

☆ حمید نظامی مرحوم کو صحافت و سیاست کے ساتھ ساتھ صوفیاء اور علماء کی مجلس میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔

علامہ محمد نواز بشیر جلالی (خطیب اعظم) لاہور۔ پاکستان

صاحبزادہ علامہ حافظ کاشف جمیل (مرکزی سیکرٹری اطلاعات) مجلس علماء نظامیہ پاکستان

☆ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

چودھری الٰہی بخش گجر (نائب صدر انجمن گوجراں) پاکستان

Marfat.com

☆ حمید نظامی مرحوم حق وصداقت، متانت ودیانت اور شرافت وانسانیت کا نمونہ تھے۔

صاحبزادہ علامہ راغب حسین نعیمی (پرنسپل جامعہ نعمیہ) گڑھی شاہو لاہور

☆ حمید نظامی مرحوم کہتے تھے کہ شراب نوش بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں جو میں برداشت نہیں کرسکتا۔ ان سے محبت کرنے والے شراب سے نفرت کریں تو ان سے محبت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ علامہ ابوالخیر آزاد (خطیب شاہی مسجد) لاہور

☆ حمید نظامی مرحوم عشق رسول ﷺ سے سرشار تھے۔ اور وہ رسول کائنات ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کو ہی اپنا عشق تصور کرتے تھے۔ مسز زیب جعفر گجر (مشیر وزیر اعلیٰ پنجاب)

☆ حمید نظامی مرحوم سے مخالفت رکھنے والے دراصل ان کی عظمت اور عروج کے حاسد تھے ورنہ ایک مخلص صحافی اور کھرے انسان میں بشری غلطیاں تو ہوسکتی ہیں لیکن اس کا کردار قابل تقلید ہوتا ہے۔ سینٹر ریحانہ یحییٰ بلوچ کوئٹہ بلوچستان

☆ حمید نظامی مرحوم کو ان کے عروج کے دور میں مختلف حکومتوں کی طرف سے وزارتوں اور اعلیٰ عہدوں کی پیشکش ہوئیں مگر وہ ترغیب وتحریص دینے کے ان ہتھکنڈوں میں نہ آئے۔ محمد پرویز ملک (مشیر وزیر اعلیٰ پنجاب)

☆ ایک دور حمید نظامی کی سب وشتم کا دور تھا مگر اس مہم کا اثر اس کے برعکس یہ ہوا کہ عوام اس عظیم صحافی کی عظمت کردار کے مزید قائل ہوتے چلے گئے۔

سردار محمد سیف الدین کھوسہ (ایم این اے)

Marfat.com

☆ محترم حمید نظامی مرحوم کے حالات زندگی کو بغور پڑھنے سے پتہ چلا ہے کہ انہیں اپنے دور صحافت میں زمرد صحافت کے قائل بعض ''نامور'' صحافیوں کی منافقت اور وطن دشمنی کی سرکوبی بھی کرنا پڑی۔

سردار محمد ارشد خان لغاری (ایم این اے)

☆ جس طرح قائداعظمؒ اپنے دور کے دیگر سیاسی مشاہیر میں لگانہ و بینظیر پہچان کے حامل ہیں اسی طرح محترم حمید نظامی مرحوم بھی اپنے دور کے دیگر صحافیوں میں اعلیٰ و پاکیزہ مقام رکھتے ہیں ان کے صحافتی اور قومی کردار کی پیروی موجودہ دور کے پاکستان کو ترقی اور عظمت سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

شیخ راحیل اصغر (ایم این اے) مسلم لیگ (ن) لاہور

☆ حمید نظامی مرحوم آمریت کے سخت مخالف تھے۔

علامہ حمید الدین المشرقی (قائد تحریک خاکسار)

☆ حمید نظامی کی 46 سالہ زندگی کا نصف حصول علم میں اور نصف ترویج لعم و صحافت میں گزرا۔ ان کی پوری زندگی علم و عمل سے بھرپور ہے۔

انجینئر محمد طارق خٹک (ایم این اے) نوشہرہ

☆ حمید نظامی مرحوم کے آئیڈیل لیڈر قائداعظم محمد علی جناحؒ اور علامہ محمد اقبالؒ تھے۔ ان کے علاوہ وہ تمام قائدین کو ان دونوں شخصیات کے ہم پلہ نہ سمجھتے تھے۔

کیپٹن حلیم صدیقی (سابق ایم این اے) مرکزی رہنما پاکستان مسلم لیگ کراچی

Marfat.com

☆ حمید نظامی مرحوم ارادوں کی بلندی کے باوجود ہوش وحواس قائم رکھ کر عمل کرنے کے قائل تھے۔ جاوید اقبال بٹ (صدر قومی تاجر اتحاد) ماڈل ٹاؤن

☆ حمید نظامی مرحوم جیسے نظریاتی صحافیوں کی معیت میں اس وقت کے حکمران ملک کی تقدیر سنوار سکتے تھے مگر اکثر بلکہ تمام حکمران ذاتی مفادات کے زیر اثر تھے جس کی وجہ سے حمید نظامی کا شق ادھورا رہ گیا۔ حاجی محمد نواز سرپرست اعلیٰ قومی تاجر اتحاد

☆ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے کی روایت کے امین حمید نظامی مرحوم کے خیالات واعمال قابل تقلید ہیں۔

حاجی جاوید اکبر بابر بٹ (صدر قومی تاجر اتحاد) پنجاب

☆ ملک کی عظمیت کو دوبالا کرنے والے اصول اپنی پاسداری چاہتے ہیں ورنہ ان اصولوں کو پامال کرنے والی قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

خواجہ اظہر گلشن (صدر قومی تاجر اتحاد) لاہور

☆ حمید نظامی کی وفات سے ملک میں آزادی کے بعد آزادی صحافت کا جو چراغ روشن تھا وہ گل ہو گیا۔ اب ایسی چراغوں کی روشنی کی ضرورت ہے۔

میاں عامر محمود (ناظم ڈسٹرکٹ لاہور)

Marfat.com

☆ جب تک ملک میں حق کو حق کہنے اور لکھنے کی روایت قائم نہیں ہو جاتی تب تک یہ ملک حقیقی معنوں میں آزاد نہیں ہو سکتا۔

چودھری محمد طارق گجر (ایم پی اے)

چودھری سردار کامل گجر (ایم پی اے)

☆ اسلام افراد کی حکمرانی کی بجائے اصولوں اور تقویٰ کی حکمرانی کا خواہاں ہے۔ جب تک ملک میں اسلامی قوانین کی حکمرانی قائم نہیں ہو جاتی تب تک اس ملک کو اسلامی ملک کہنا نادانی ہے۔

قاری زوار بہادر (جنرل سیکرٹری) جمعیت علماء پاکستان

☆ خداوند قدوس کے بعد عوام کو اصل حکمران اور اپنے آپ کو عوام کا خادم تصور کرنے والا ہی حقیقی اسلامی حکمران ہوتا ہے۔ حمید نظامی مرحوم بھی ایسے ہی حکمران تیار کرنا چاہتے تھے۔ مگر ملکی نظامی کی بدبختی کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اب بھی مایوس ہونے کی بجائے ایسے اصول وضع کر کے حمید نظامی مرحوم کا خواب پورا کیا جا سکتا ہے۔

میاں محمود رشید (صدر تحریک انصاف) لاہور

☆ صحافت پر پابندیوں کے باوجود انہوں نے اپنا ماضی الضمیر پوری قلمی مہارت سے بیان کیا یہی صحافت ہے۔

رتنا بھگوان داس (سینیٹر پاکستان پیپلز پارٹی)

☆ آزادی صحافت کے علمبردار حمید نظامی مرحوم کا کردار موجودہ دور کے صحافیوں کے مشعل راہ ہے۔

میاں محمد اسلم اقبال (سابق صوبائی وزیر سیاحت) حکومت پنجاب

Marfat.com

☆ حمید نظامی مرحوم کی حب الوطنی اور اسلام دوستی کسی قسم کے شک وشبہ سے بالاتر تھی۔

کرنل طاہر کاردار (صدر ماڈل ٹاؤن سوسائٹی) لاہور

☆ حمید نظامی مرحوم اپنے کام کے عوض کسی ستائش یا صلہ کی تمنا نہ رکھتے تھے بلکہ اگر کوئی ان کے سامنے ان کی تعریف بھی کرتا تو وہ اس کی حوصلہ شکنی کرتے۔

افتخار خان ''کوآرڈینیٹر ہم جیتے گے''

☆ ''نوائے وقت'' کا یہ اعزاز ہے کہ اس نے ہر دور میں ملک میں متبادل اور بہتر قیادت پیدا کرنے کی راہیں ہموار کیں۔ چودھری ذکاء اشرف (چیئرمین زرعی ترقیاتی بینک) پاکستان

☆ حمید نظامی مرحوم ایک فیاض اور سخی انسان تھے وہ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ایک ہاتھ سے دیکر دوسرے ہاتھ کو خبر تک نہ ہونے دینے کے قائل تھے۔

چودھری ذوالفقار احمد راحت (ممتاز کالم نگار، دانشور، اینکر پرسن) دن نیوز لاہور

☆ محترم حمید نظامی کو اپنی رائے منوانے پر اصرار ہوتا تھا اس لئے کہ وہ حق وصداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے اور ان کی آراء کا اصل مقصد ملکی وملی فلاح ہوتا تھا۔

حاجی محمد نواز (سابق ایم پی اے) صدر مسلم لیگ (ن) ضلع شیخوپورہ

الحاج محمد طارق چودھری (چیف ایگزیکٹو چودھری محمد حسین شہید ٹرسٹ فری آئی ٹرسٹ ہسپتال چٹی کوٹھی روڈ شیخوپورہ

☆ حمید نظامی مرحوم کی مخالفت اور رفاقت محض قومی معاملات کی بناء پر ہوتی تھی ورنہ وہ انسانیت کی عظمت کے قائل تھے اور ننگ انسانیت لوگوں سے انہیں سخت نفرت تھی۔

کامران مائیکل (صوبائی وزیر اقلیتی امور وحقوق انسانی) حکومت پنجاب

Marfat.com

☆ محترم حمید نظامی مرحوم نے پاکستانی صحافت کی جو راہیں متعین کی ہیں ان پر چلنا موجودہ پاکستان کے تمام صحافیوں کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔

بابر محمود صدر مسلم لیگ (ن) ٹریڈنگ ونگ لاہور

☆ اردو ادب کی صنف طنز و مزاح میں حمید نظامی مرحوم کو ملکہ حاصل تھا وہ مذاق مذاق میں بڑی کام کی باتیں کہتے تھے۔

صدیق الفاروق (مرکزی رہنما) پاکستان مسلم لیگ (ن)

☆ حمید نظامی مرحوم کی دوستی پھولوں کی سیج اور دشمن نیزے کی انی کے مترادف تھی ایک صحافی کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

چودھری نثار علی خان (ایم این اے) اپوزیشن لیڈر قومی اسمبلی

☆ بعض حضرات کو ''نوائے وقت'' کے رنگینی سے مفقود ہونے کا گلہ ہے۔ اور یہ رنگینی اس میں آ بھی نہیں سکتی کیونکہ آج بھی حمید نظامی مرحوم جیسے حق گو اور نظریاتی صحافی کی پالیسیوں پر گامزن ہے۔ عبدالمنان خرم (چیئرمین یونیک گروپ آف انسٹیٹیوشنز)

☆ بخل اور ایمان ایک دل میں یکجا نہیں ہو سکتے۔ اہل ایمان ہر دور میں بخلیوں سے برتر رہے ہیں۔ اور رہیں گے اسی لئے آج بھی محترم حمید نظامی جیسے ایماندار صحافیوں کی یادیں لوگوں کے دلوں میں تازہ ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر ہارون رشید چودھری پروجیکٹ ڈائریکٹر فاؤنٹین ہاؤس لاہور فاروق آباد شیخوپورہ

Marfat.com

☆ محترم حمید نظامی مرحوم کے لئے بقول غالب یہی کہوں گا۔

کہہ دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

راجہ ریاض احمد سینئر صوبائی وزیر حکومت پنجاب

☆ حمید نظامی مرحوم کے رویوں میں منافقت نہ تھی وہ جسے یار کہتے اسے جی جان سے عزت دیتے اور جسے دشمن سمجھتے اسے اپنے سائے کے پاس تک بھی پھٹکنے نہ دیتے۔

ممنون حسین (سابق گورنر سندھ) مرکزی رہنما پاکستان مسلم لیگ (ن)

☆ انصاف یہ ہے کہ انسان پھل دار درختوں کو پانی دے اپنے فکر کا پانی کانٹوں اور جھاڑیوں کو دے کر اسے ضائع مت کرو۔ محترم حمید نظامی مرحوم نے اپنی مثبت فکر کے پانی کو جھاڑیوں اور کانٹوں پر ضائع نہیں کیا بلکہ ان کے مدنظر پاکستان کی عنور قوم تھی اس قوم نے ان کے محبت الوطنی کے فکر کو اپنایا مگر وائے قسمت کہ گمراہ سیاستدانوں کو ان کے افکار سے کل بھی بیر تھا اور آج بھی ہے جبکہ عوام دوست سیاستدان آج بھی ان کا ذکر فخر و افتخار سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حمید نظامی کے افکار کو زیادہ سے زیادہ وسعت اور قبولیت عطاء فرمائے۔ (آمین)

چودھری جاوید حسن گجر (ایم پی اے) رحیم یار خاں، مرکزی رہنما پاکستان پیپلز پارٹی

☆ عشق ہمیشہ وفا کرتا ہے اور وفا کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اپنے مقصد

Marfat.com

سے عشق کر کے حمید نظامی مرحوم نے عشق کو پالیا تھا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کے مکتب فکر نے انہیں وفا اور وقار سے نوازا۔ آج کے پاکستان کا ہر مشنری اگر اپنے مشن کو عشق کا درجہ دے دے تو یہ ملک جنت نظیر خطہ ہوگا۔

افتخار علی ملک (چیئرمین گارڈ گروپ آف کمپنیز)

☆ قرآن میں ہے "اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں خریدی ہیں"۔ ایک مومن کو اس لئے کسی اور خریدار کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے۔ ایک بندہ مومن کی طرح حمید نظامی مرحوم کو بھی تاحیات اپنے خرید لئے جانے کا احساس تک نہ ہوا اور شبانہ روز نہایت بے باکی اور سرعت سے ملکی عوامی سیاسی معاملات پر قلم اٹھاتے رہے۔

چودھری سلیم الٰہی گجر نائب صدر مسلم لیگ (ن) سندھ

☆ اصل مستی بھی خدا کے عشق ہی سے آتی ہے۔ دنیاوی طور پر مقصد سے لگن بھی انسان میں مجازی مستی پیدا کرتی ہے حمید نظامی مرحوم بھی اپنے مقصد سے عشق کی مستی میں سرشار تھے اور ان کی نظر میں دنیاوی عہدے اور خوف کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔

انجینئر عثمان خان ترکزئی (ایم این اے) صوابی

☆ صحافی معاشرے کی آنکھ ہوتے ہیں صحافی اگر بینا و دانا ہو تو قوموں کی زندگی میں خوشگوار تبدیلیاں لانے کا موجب بنتے ہیں اور اگر صحافی بے مقصدیت کا شکار ہوں تو قومیں اپنی مادر دھرتی پر رہتے ہوئے بھی غیروں کی غلامی میں چلی جاتی ہیں۔ آج پاکستان کی موجود سیاسی و جغرافیائی صورتحال سے امر کا جائزہ لگایا جا سکتا ہے۔

محمد جمیل مینجنگ ڈائریکٹر فاسٹ کیبلز لاہور

Marfat.com

☆ صحافیوں کے سوالات جس قدر جذبہ حب الوطنی سے معطر ہوں گے سیاستدانوں کے جوابات بھی اسی قدر خوف عوام سے لرزیدہ ہوں گے یہی وجہ ہے کہ محترم حمید نظامی مرحوم نے اپنی پوری صحافتی زندگی میں جس بھی قومی ایشو کو نذر قرطاس کیا وہی قومی مسئلہ چند دنوں میں ہی حل ہو گیا۔ آج کی صحافتی خدمات کو ناپ تول کر محترم حمید نظامی کے دور صحافت اور آج کے پاکستان کے دورِ صحافت کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

محمد طارق مغل (چیئرمین مغل انڈسٹریز)

☆ ایک پڑھا لکھا نوجوان ہونے کے ناطے اگر حمید نظامی مرحوم تعلیم سے فارغ ہو کر کسی بڑے ادارے میں ملازمت کا کاروبار کر لیتے تو چند سالوں میں ہی لاہور کے شمول خاندانوں میں گنے چنے جاتے مگر انہوں نے ہوس زر کی بجائے حب الوطنی کے جذبہ کی تسکین کے لئے ادب وصحافت کی وادی پر خار میں قدم رکھا اور تمام زندگی ادب وصحافت کی خدمت میں انتہائی سادگی اور اعتدال میں گزاری دی۔

گاؤں جن کی چھاؤں میں پلتے رہے
وہ شجر خود دھوپ میں چلتے رہے

محمد آصف شامی (پارٹنر ڈائریکٹر شامی ڈویلپر)

☆ دست سوال لاکھوں ہی عیبوں کا عیب ہے جس ہاتھ میں یہ عیب نہ ہو وہ دستِ غیب ہے محترم حمید نظامی مرحوم کا کوئی دوست یا جاننے والا یہ نہیں بتا سکا کہ انہوں نے غربت وافلاس کے دور سے لے کر آخری عمر تک کسی کے آگے دستِ سوال دراز کیا ہو۔

نواب علی وسان (ایم این اے) مرکزی رہنما پاکستان پیپلز پارٹی شکار پور سندھ

Marfat.com

☆ بغیر موت و مصیبت کے چل نہیں سکتا

عجیب راز یہ دنیا کے انتظام میں ہے

میاں عبدالوحید (ایم ڈی سرتاج فلورملز) لاہور، خرم رانا (ممتاز تجزیہ نگار)

☆ جو شخص اپنے نفس کا اچھی طرح سے معلم نہیں ہو سکتا دوسرے کا کس طرح ہو گا۔

حمید نظامی مرحوم اسی لئے غیر تعلیم یافتہ صحافیوں کو صحافی شمسار نہ کرتے تھے۔

جواد حسین (ایم این اے) فاٹہ قبائلی علاقہ جات

☆ حمید نظامی مرحوم جیسے سپوت مادرِ گیتی بار بار پیدا نہیں کرتی۔

ابوذر غفاری (چیف ایگزیکٹو گوہر پبلشرز) اُردو بازار لاہور

☆ حمید نظامی مرحوم ایسے رویے کے قائل تھے کہ خاموش رہو یا ایسی بات کہو جو خاموشی سے بہتر ہو۔ حافظ عابد علی (جنرل سیکرٹری قومی تاجر اتحاد) لاہور

☆ حمید نظامی مرحوم کی زندگی سے متعلق میں نے ان کا یہ قول پڑھا ہے کہ پڑھنے سے انسان بیدار ہوتا ہے۔ مکالمہ تمیز پیدا کرتا ہے۔ اور لکھنے سے ذہین ہو کر صحیح المزاج بن جاتا ہے مطالعہ سے خلوت میں خوشی، تقریر میں زیبائش، تجویز و ترتیب میں استعداد اور تجربہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ انسان کے خیالات بہت کچھ اس کے مزاج کے موافق، تقریر و کلام اس کی علمیت و قابلیت کے موافق اور افعال و اعمال اس کی عادات کے موافق ہوتے ہیں ان کا یہ قول مجھے آج تک یاد ہے اور میرے لئے یہ ان کی علمی بزرگی کا بین ثبوت ہے۔

سینیٹر میر محبت خان مری (مرکزی رہنما) پاکستان مسلم بلوچستان

Marfat.com

☆ نالائق آدمیوں کی حق تلفی کر کے نالائق آدمیوں کی پرورش کرنا انصاف کے گلے پر چھری پھیر دینے کے مترادف ہے۔ محترم حمید نظامی مرحوم بھی اسی اصول انصاف پر کاربند تھے انہوں نے تاحیات اسی اصول کی پاسداری کے حق میں کہا اور لکھا۔ ہمیں ان کے افکار سے سیکھنا چاہئے۔ سینیٹر کلثوم پروین (مرکزی رہنما) پاکستان مسلم لیگ بلوچستان

☆ محترم حمید نظامی مرحوم اپنے دوستوں کو اپنے حال سے اتنا ہی واقف کرتے کہ اگر دشمن بھی ہو جائے تو نقصان نہ پہنچا سکے اسے بھی اعتدال کہتے ہیں۔

چودھری رضا نصر اللہ گھمن (ایم پی اے) پاکستان مسلم لیگ (ن) فیصل آباد

☆ حمید نظامی مرحوم چاہتے تھے کہ پاکستانی قوم نیک بننے کی کوشش کرے اور بدکاروں سے نفرت کرے آج ہمیں اس قول کے مطابق اپنے گریبان میں جھانکنا چاہئے۔

حاجی قیصر امین بٹ (سابق ایم پی اے) مشیر وزیر اعلیٰ پنجاب

☆ صحافت اس دور کی عظیم ترین نعمت ہے اگر ملک کے تمام صحافی محترم حمید نظامی کی طرح اپنے مقصد سے مخلص ہو جائیں۔ اسی میں قوم اور ملک کی بہتری ہے۔

مقصود احمد چغتائی (عالمی سیاح، ممتاز دانشور، ادیب مفکر)

☆ سکندر کے سامنے ایک ڈاکو پیش کیا گیا۔ سکندر نے کہا تمہیں ڈاکو کا پیشہ اختیار کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی اور رحم نہیں آتا؟ ڈاکو نے جواب دیا سنئے میں جو کام چھوٹے پیمانے پر کرتا ہوں آپ اسے وسیع پیمانے پر سرانجام دیتے ہیں میرے ساتھیوں کی تعداد گنتی کی ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیں ڈاکوں کا خطاب ملتا ہے آپ کے ہمراہ ٹڈی دل لشکر

Marfat.com

ہوتا ہے وہ شاہی فوج کہلاتا ہے میرے کام کو ڈاکہ زنی اور آپ کے کام کو فتوحات کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ میں ایک آدھ گاؤں کو لوٹتا ہوں اور اآپ کی تاخت وتاراج اور لوٹ کھسوٹ کا نشانہ تو سینکڑوں سلطنتیں بن چکی ہیں اور بننے والی ہیں اس لئے آپ بڑے ڈاکو ہیں اور میں چھوٹا ڈاکو حکمرانوں کو ایسے انداز سے ان کی اصلیت دکھانا دراصل صحافت کی ابتداء اور انتہا یہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی کوئی بھی اسکندر جیسا لوٹ مار کرنے والا حکمران نہ ہو۔ یہی صحافت کی کامیابی کا دور ہوگا اس سے پہلے والے تمام دور عمل صحافت کی آزمائش کے دور تصور کئے جائیں گے۔ چودھری نوید عالم گجر (سابق باکی اولمپک)

☆ محترم حمید نظامی کے نزدیک غلام ممالک میں ہر مسئلہ سیاسی صورت اختیار کر لیتا ہے اور طاقت ہمیشہ حقوق پر غالب آجاتی ہے۔ جبکہ آزاد ممالک میں حقوق کی طاقت کے مقابل کوئی طاقت نہیں ہوتی۔ سیمی ملک (صوبائی رہنما پاکستان مسلم لیگ (ن) سندھ

سلیم انجم مرکزی نائب صدر پاکستان مسلم لیگ (ن) مینارٹی ونگ کراچی

☆ اردو صحافت میں محترم حمید نظامی نے جرأت و بے باکی کی روشن روایات قائم کیں جو آج بھی قائم ودائم ہیں۔

چودھری مدثر قیوم نابرا (ایم این اے) مرکزی رہنما پاکستان مسلم لیگ (ن)

☆ حمید نظامی مرحوم وہ نقاد تھے جو حقائق کو ان کے اصل حوالوں سے دیکھتے ہو۔ اور جو محسوس کرتا ہو اسے دیانتداری سے لکھ دیتا ہو۔

خواجہ محمد آصف (ایم این اے) مرکزی رہنما پاکستان مسلم لیگ (ن)

Marfat.com

☆ حمید نظامی مرحوم نے زندگی بھر صبر اور برداشت کا مظاہرہ کیا مگر وہ وطن دشمنوں کی کارروائیوں کو ہرگز برداشت نہ کرتے تھے اور ان کا قلم حرکت میں آجاتا تھا۔

عمر سہیل ضیاء بٹ (ایم این اے) مرکزی رہنما پاکستان مسلم لیگ (ن)

☆ اُردو صحافت میں جرأت اور شائستگی کو فروغ دیا یہی سبب ہے کہ اُنہوں نے صحافت کے آسمان پر بے شمار تابانیاں بکھیریں ایسے لوگ کسی بھی قوم کیلئے عزت اور فخر کا باعث ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے

پروفیسر اعتبار ساجد (ممتاز دانشور، ادیب، شاعر) ندائے ملت لاہور

☆ حمید نظامی کی صحافت صرف اور صرف سچے پاکستانی کی آواز رہی ہے ہمیشہ ایک سنہرے اور پرامن پاکستان، جہاں پر انسان کو انصاف میسر ہو اور دین محمدؐ کا پرچارہ ہو۔

برگیڈیئر (ر) محمد اسلم گھمن (سابق ڈی جی انٹی کرپشن)

☆ حمید نظامی مرحوم کی عملی زندگی قوم کے لئے اب بھی مشعل راہ ہے جناب مجید نظامی کی رہنمائی قوم کے لئے آکسیجن کی حیثیت رکھتی ہے۔

شہزاد سعید چیمہ پارلیمانی سیکرٹری (P &D)، علی فتخار چیمہ (رہنما پاکستان پیپلز پارٹی)

☆

Marfat.com

Marfat.com

پاسبانِ پاکستان

جناب مجید نظامی صاحب

چیئرمین "نوائے وقت" گروپ

Marfat.com